علم التعلیم

11

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب

تعلیم
(Education)

تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے جو ''علم'' سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اس کا متبادل لفظ ''ایجوکیشن'' ہے جو لاطینی زبان کے دو الفاظ "Educere" اور "Educare" سے ماخوذ ہے۔ "Educere" کے معنی "To bring out" اظہار کرنا، باہر نکالنا، بروئے کار لانا جبکہ "Educare" کے معنی ہیں "To bring up" پروان چڑھانا، نشوونما کرنا، اُجاگر کرنا۔ ''ایجوکیشن'' کی اصطلاح انھیں دو الفاظ سے مل کر بنی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان صلاحیتوں کے لحاظ سے ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہے۔ تعلیم کا عمل انسان کی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور پروان چڑھانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم، انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کرتی ہے تاکہ وہ معاشرے میں ایک کامیاب اور اچھے شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو متعلم کی تمام صلاحیتوں کے اظہار اور ہمہ پہلو نشوونما کے نتیجے میں اس کی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی سیرت و کردار کی اس طرح تعمیر و تشکیل کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔

تعلیم کی مندرجہ بالا تعریف میں چار پہلو نمایاں ہیں:

1- متعلم کی تمام صلاحیتوں کا اظہار اور نشوونما
2- متعلم کی شخصیت کی تکمیل
3- سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل
4- انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامیاب شہری کی حیثیت سے تیاری

تعلیم کی یہ تعریف انتہائی جامع اور مکمل ہے جو دنیا کے ہر معاشرے اور تمام افراد پر صادق آتی ہے۔ تعلیمی عمل کے نتیجے میں کوئی فرد، معاشرے کے کسی بھی شعبہ میں ایک کارکن، ماہر یا قائد کی حیثیت سے اپنا کردار کامیابی سے ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے گویا معاشرے کے مطلوبہ افراد تعلیم کے اسی عمل سے تیار ہو کر معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرتے ہیں۔

ماہرین تعلیم نے تعلیم کے مفہوم کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ کسی نے اسے انسانی ذہن کی نشوونما قرار دیا ہے۔ کسی نے اسے معاشرتی مطابقت (Social Adjustment) کا نام دیا ہے۔ سقراط نے اسے سچائی کی تلاش، ارسطو نے جسمانی و اخلاقی نشوونما کا عمل اور افلاطون نے صحت مند معاشرے کی تنظیم کا عمل قرار دیا ہے۔ جان ڈیوی اسے تجربے کی مسلسل تعمیر نو اور تنظیم نو کا نام دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کی مسلسل نشوونما اور بالیدگی کا عمل ہے جو انسان کی شخصیت کے نکھار اور اعلیٰ کمال کے حصول کا باعث بنتا ہے۔

انسان کی یہ صلاحیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1- جسمانی صلاحیتیں (Physical Abilities)
2- ذہنی اور فکری صلاحیتیں (Mental & IntellectualAbilities)
3- معاشرتی صلاحیتیں (Social Abilities)
4- جذباتی صلاحیتیں (Emotional Abilities)
5- اخلاقی صلاحیتیں (Moral Abilities)
6- روحانی صلاحیتیں (Spiritual Abilities)

تعلیم، انسان کی مذکورہ بالا صلاحیتوں کی بتدریج، مسلسل اور ہمہ گیر نشوونما کا فریضہ سرانجام دیتی ہے- یہ انسان کی ہمہ پہلو تربیت کا عمل ہے اور تعلیم کی مختلف سرگرمیاں انسانی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی کسی نہ کسی لحاظ سے نشوونما اور فروغ کا باعث بنتی ہیں-نشوونما کا یہ عمل مربوط بھی ہوتا ہے اور بتدریج بھی تاکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نشوونما ہو سکے اور حتی الامکان اس کی شخصیت کی تکمیل کے ذریعے معاشرتی زندگی متوازن طور پر پروان چڑھ سکے۔

دیگر مخلوقات کی نسبت انسان اپنی عملی زندگی میں قدم قدم پر تعلیم و تربیت کا محتاج ہے- اللہ تعالی نے معلم اوّل پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو خود تعلیم سے بہرہ ور فرمایا اور بنی نوع انسان کی ہدایت، رہنمائی اور تعلیم و تربیت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی صورت میں معلمین مبعوث فرمائے۔جس کی آخری کڑی، خاتم المرسلین جناب محمد ﷺ ہیں-آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً

ترجمہ: "بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد معاشرے کی نوخیز نسلوں کی تکمیل ذات، آدابِ معاشرت، اخلاقِ حسنہ اور صحیح تصور کائنات کی تربیت دینا ہے تاکہ انسان اپنے خالق، مالک اور رازق یعنی ربِ کائنات کو پہچان سکے۔تعلیم ہی انسان کو خداشناس، خودشناس اور کائنات شناس بناتی ہے تاکہ انسان خلیفۃ اللہ کا کردار ادا کر سکے-

اسلام میں تعلیم کی اہمیت، مقام اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز لفظ "اقرأ" یعنی پڑھ سے ہوا اور پہلی وحی میں علم، قلم اور پڑھنے کا ذکر فرما کر تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تعلیم و تزکیہ قرار دیا-تعلیم انسان میں نیکی اور بدی کی پہچان اور نیکی کو اپنانے اور گناہوں سے بچنے کا شعور پیدا کرتی ہے-آنحضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں "دارارقم" اور مدینہ منورہ میں "صفہ" کے مدارس قائم کر کے صحابہؓ کی تعلیم اور تربیت کا اہتمام فرمایا۔

شاہ ولی اللہؒ نے تعلیم کو خیروشر میں تمیز کر کے خیر کو اپنانے اور شر کو دبانے کا عمل قرار دیا ہے-علامہ اقبالؒ نے تعلیم کو تعمیر خودی اور تکمیل خودی قرار دیا ہے جو انسانی شخصیت کی تشکیل (Self-Actualization) کا دوسرا نام ہے-

تعلیم کے عناصر (Elements of Education)

عملِ تعلیم کے بنیادی عناصر مندرجہ ذیل ہیں:

i- متعلّم (Student) ii- معلّم (Teacher) iii- نصاب (Curriculum)

iv- تعلّم (Learning) v- تدریس (Teaching) vi- معاشرہ (Society)

i- متعلّم (Student)

عملِ تعلیم میں سب سے اہم عنصر متعلم ہے۔ جس کے لیے تعلیم کا عمل انجام پاتا ہے۔ اُسی کی تربیت اور متوازن نشوونما کے لیے معاشرہ نظامِ تعلیم وضع کرتا ہے۔ طالب علم معاشرے کا ایک اہم رکن ہے اس کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم ہے۔ معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم کی تربیت اس کی انفرادی ضروریات، صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے مطابق کرے تاکہ وہ معاشرے کا ایک مفید رکن اور اچھا شہری بن کر اپنے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کو سمجھ سکے۔

تعلیمی عمل کی کامیابی کے لیے متعلم کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ عمر کے کس درجے میں ہے؟ اور اس عمر کے تقاضے کیا ہیں؟ متعلم کی صلاحیتیں، ذاتی رجحانات اور دلچسپیاں کیا ہیں؟ متعلمین کے انفرادی اختلافات، مزاج اور استعداد کے ساتھ ساتھ قومی، مذہبی اور معاشرتی ضروریات کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر بچوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے تجربات اور ماحول سے کچھ نہ کچھ سیکھ کر بڑے تو ہو جائیں گے۔ مگر ضروری نہیں کہ ان کا معیار معاشرے کے مطلوبہ معیار کے مطابق ہو۔ کیونکہ زندگی کا مقصد صرف روح و جسم کا رشتہ برقرار رکھنا اور روزی کمانا نہیں بلکہ زندگی کو ایسے رخ پر ڈھالنا ہے کہ وہ ریاست اور معاشرے کا مفید شہری بنے۔ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن کر زندگی بسر کرے، ملک و ملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے فرائض ادا کرے اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرے تاکہ متوازن معاشرہ تشکیل پا سکے۔

ii- معلّم (Teacher)

معلّم وہ ہستی ہے جو متعلم کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ تعلیمی عمل کی کامیابی کا دارومدار معلّم ہی کا مرہونِ منت ہے۔ معلّم، طالب علم کے لیے ایک مثالی شخصیت ہے۔ وہ اس کا مربی، مرشد، مشیر اور رہنما ہوتا ہے۔ متعلّم ہر معاملہ میں استاد کی تقلید کرتا ہے۔ اگر استاد، علم، کردار اور اخلاق کے لحاظ سے بلند ہے تو وہ طالب علم کو بھی زندگی میں رفعتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کرے گا۔

استاد نہ صرف متعلمین کو کتابی علم بہم پہنچاتا ہے بلکہ وہ ان کی ہر معاملہ میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ معلّم کی قابلیت، شفقت، محنت اور لگن سے طالب علم کی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ اگر معلّم فنِ تدریس میں ماہر اور تربیت یافتہ ہو، تو وہ تعلیمی عمل میں حقیقی روح پھونک سکتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے اپنے لیے معلم کے لقب کو پسند فرمایا ہر معاشرے میں معلّم کو بہت بلند مقام حاصل رہا ہے۔ اسے روحِ انسانی کا صنعت گر قرار دیا گیا ہے اور وہ معمارِ قوم کی حیثیت سے معاشرے اور قوم کی تعمیر و تشکیل کا ذمہ دار ہے۔ معلم کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تدریس کا طبعی رجحان اور ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہو۔ کسی مجبوری کے تحت پیشہ تدریس اختیار کرنے والا شخص کبھی حقیقی معنوں

میں معمار قوم نہیں بن سکتا۔

iii- نصاب (Curriculum)

نصاب وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر طالب علم اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ نصاب کے لفظی معنی راستہ کے ہیں جبکہ اصطلاح میں نصاب سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، مشاغل، تجربات، مشاہدات اور تحقیقات ہیں جو مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے تعلیمی ادارے کے اندر یا باہر ادارے کی نگرانی میں سرانجام پائیں۔ یہ نصاب کا جدید تصور ہے، عمل تعلیم کی انجام دہی کے لیے تمام علوم وفنون، تجربات و مشاغل اور دیگر تمام لوازمات نصاب کا حصہ ہیں۔

عمل تعلیم میں نصابِ تعلیم کی وہی حیثیت ہے جو نظامِ مملکت میں دستور کی ہے۔ نصاب کے دو بڑے اجزا ہیں۔

ا۔ مواد (Content)

ب۔ ہم نصابی سرگرمیاں (Co-curricular Activities)

نصاب کا مواد اس علم (Knowledge) پر مبنی ہوتا ہے، جو انسانی تجربات، مشاہدات اور تحقیقات کے نتیجے میں بنی نوع انسان نے مختلف ذرائع علم سے اخذ کیا ہے، یہی لوازمہ نصاب (Content) درسی کتب کی شکل میں طلبا کی تدریس کے لیے اساتذہ اور طلبہ کو مہیا کیا جاتا ہے۔ بالعموم اسی میں سے امتحان لیا جاتا ہے لہٰذا نصاب طلبہ کی ذہنی استعداد، ضروریات اور دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ معاشرے کے نظریۂ حیات، اقدار، قومی معاشرتی اور معاشی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا جائے۔ نصاب میں تبدیلی اور لچک کی گنجائش ہونی چاہیے تاکہ مستقبل کی ضروریات کے مطابق اس میں ترمیم واضافہ کیا جاسکے۔

ہم نصابی سرگرمیاں نصابِ تعلیم کا دوسرا اہم حصہ ہیں جو تعلیمی ادارہ کی مختلف سرگرمیوں کی صورت میں طلبہ کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ ان میں امتحانات تو نہیں لیے جاتے مگر یہ سرگرمیاں طلبہ کی سیرت و کردار اور مستقبل کے کامیاب شہری کی حیثیت میں بہت نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ نصاب کی جدید تعریف کی رو سے ان سرگرمیوں اور مشاغل کو بھی اسناد یا سرٹیفکیٹ عطا کرنے میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔

iv- تعلّم (Learning)

تعلم انسانی شخصیت کے کسی بھی پہلو میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلی ہے جو جسمانی، اخلاقی، روحانی اور کرداری بھی ہو سکتی ہے۔ انسانی شخصیت میں یہ مطلوبہ تبدیلیاں تجربات وواقعات کے نتیجے میں رونما ہوتی ہیں۔ لہٰذا طلبہ کے لیے ایسے تجربات کا اہتمام کیا جاتا ہے جن سے مثبت اور مطلوبہ تبدیلی واقع ہو۔ عمل تعلیم میں تعلم کے لیے مناسب ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ انسان جب کسی مہیج سے دو چار ہوتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بچہ آگ کو چھو لیتا ہے تو اس کا ہاتھ جلتا ہے اور وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور فوراً اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اس عمل میں آگ مہیج ہے اور ہاتھ کا ہٹا لینا ردعمل ہے۔ یہ سارا عمل بچے کا تجربہ ہے۔ اب بچہ جب بھی آگ کو دیکھے گا تو اس کے قریب نہیں جائے گا کیونکہ تجربے کے نتیجے میں اس کے کردار میں تبدیلی آچکی ہے، یہی تبدیلی تعلم ہے۔

عمل تعلیم میں طالب علم کو کئی ایسے تجربات وواقعات سے گزار کر اس کی شخصیت میں مثبت اور مطلوبہ تبدیلی پیدا کی جاتی ہے۔ یہ تبدیلی بحیثیت مجموعی طالب علم کی تعلیم کا باعث بنتی ہے۔

v- تدریس (Teaching)

تدریس ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے استاد مختلف طریقہ ہائے تدریس اور تدریسی حکمت کے تحت طالب علم کی شخصیت میں تبدیلی (تعلّم) کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرتا ہے۔ تدریس کا عمل انتہائی مہارت کا تقاضا کرتا ہے استاد کے سامنے مختلف صلاحیتوں اور اہلیتوں کے طالب علم ہوتے ہیں۔ وہ ان کے انفرادی اختلافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکمت عملی اختیار کرتا ہے، مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف انداز اپناتا ہے۔

مؤثر اور کامیاب تدریس وہ ہوتی ہے جو طالب علم کے لیے دلچسپ، دلکش، آسان اور دیرپا ہو۔ طالب علم نئی چیز کو سیکھنے میں خوشی محسوس کرے اور وہ شوق اور رغبت کے ساتھ اپنی ذات میں مطلوبہ تبدیلی پیدا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ استاد کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی تدریس کے ذریعے تعلیم و تعلم کے عمل کو آسان اور دلچسپ بنائے، اس کے لیے تدریسی اعانات کا استعمال کرے۔

vi- معاشرہ (Society)

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کا انتظام معاشرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا نظامِ تعلیم براہِ راست اس ملک کے معاشرے کے مسائل اور ضروریات سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم معاشرہ کے ماحول، اس کے مسائل اور معاشرے کی ضروریات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

تعلیمی عمل کا معاشرے سے گہرا ربط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ افراد، معاشرے کا حصہ ہیں اور تعلیم افرادِ معاشرہ کے لیے ہوتی ہے۔ افرادِ معاشرہ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب معاشرہ تعلیم کے لیے مناسب ماحول، ضروری وسائل اور سہولیات بہم پہنچائے۔ فرد اور معاشرہ کا باہمی تعامل (Mutual Interaction) ہوتا ہے۔ عمل تعلیم ان کے درمیان ربط وضبط کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ معاشرتی بقاء، تہذیب وتمدن، ثقافت واقدار کا تحفظ، نظریات اور علوم وفنون کا فروغ عمل تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہ معاشرتی مطابقت تعلیم کا اہم مقصد ہے یعنی طالب علم معاشرے کی اقدار وروایات کو اپنائے اور معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں اپنا کردار ادا کرے۔

تعلیم کا دائرہ عمل

تعلیم فرد کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے، اسے حقائق سے آگاہ کرتی ہے، اس کے اخلاق، کردار اور رویے کی اصلاح کرتی ہے، اور اسے معاشرے کی عملی زندگی میں انفرادی واجتماعی حیثیت سے کامیاب شہری کا کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔

تعلیم کے ذریعے انسانی کردار میں درج ذیل تبدیلیاں واقع ہوتی ہے:۔

i- وقوفی تبدیلی ii- تاثراتی تبدیلی iii- مہارتی تبدیلی

i- وقوفی تبدیلی

اس کا تعلق تصورات اور معلومات سے ہوتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے طالب علم کو اشیا کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسے نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ مختلف اشیا کو پہچانتا ہے، اس کے متعلق معلومات کو ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ حافظہ کی مدد سے انہیں دوبارہ دہراتا ہے، اس کی تشریح اور وضاحت کرتا ہے، اس کے مختلف اجزاء کا باہمی تعلق معلوم کرتا ہے، اشیا کو مجموعی حیثیت سے دیکھتا ہے اور مختلف مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

ii- تاثراتی تبدیلی

اس کا تعلق عادات اور رویوں کی تشکیل سے ہوتا ہے۔ تعلیم کے نتیجے میں فرد کے کردار اور رویے میں مطلوبہ مثبت تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے خیالات کو توجہ سے سنتا ہے اور ان کے نقطۂ نظر پر غور وفکر کرتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مناسب انداز میں اپنے اندر تبدیلی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے اچھے پہلوؤں کی تحسین کرتا ہے، اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے اور اسے بتدریج اقدارِ حیات کے طور پر اپنے کردار کا حصہ بناتا ہے۔

iii- مہارتی تبدیلی

تعلیم کے اس پہلو کا تعلق کسی ہنر کے اکتساب سے ہوتا ہے۔ تعلیم جہاں کسی طالب علم کو معلومات بہم پہنچاتی ہے اور متعلقہ اشیا کے متعلق علم مہیا کرتی ہے اور اسے اپنے رویے اور کردار میں تبدیلی کے لیے آمادہ کرتی ہے وہاں اسے کسی عملی اقدام اور سرگرمی میں حصہ لینے کے قابل بناتی ہے۔ وہ ذہنی، جسمانی اور عملی طور پر اس سرگرمی میں شریک ہوتا ہے اور ممکنہ حد تک اسے نہایت اعتماد اور کامیابی کے ساتھ اپنی عادات واطوار کے طور پر اپناتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے وہ نہایت مہارت کے ساتھ کسی کام کو سرانجام دیتا ہے اور اپنے سابقہ تجربات میں بہتری پیدا کر کے اسے زیادہ بہتر اور اچھے انداز میں سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے تعلیم کے دائرہ عمل کو سمجھنا آسان ہوگا۔

عملِ تعلیم میں، ایک طالب علم کو "ہمدردی" کے عنوان سے کوئی کہانی سنانا اور طالب علم کا اس کہانی کو واقعاتی لحاظ سے ٹھیک سمجھ کر بیان کر دینا، وغیرہ اس کے لیے وقوفی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر طالب علم ہمدردی کے جذبے کی تحسین کرے اور اسے اپنی عادات واطوار اور عملی زندگی میں اپنانے میں خوشی محسوس کرے تو یہ تاثراتی یا کرداری تبدیلی کہلاتی ہے لیکن اگر وہ کسی ضرورت مند کی عملاً مدد کر کے اپنے کردار اور رویے میں تبدیلی پیدا کرے تو یہ حقیقی اور مطلوبہ تعلیم ہے اور یہ مہارتی تبدیلی کہلاتی ہے۔ ایسی ہی تعلیم کے نتیجے میں افراد کی سیرت و کردار میں انقلاب برپا ہوتا ہے اور ایسے ہی افراد صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔

ایک طالب علم اپنے گھر، ماحول اور مدرسہ سے متاثر ہوتا ہے اور ہر وقت اس پر مختلف واقعات اور تجربات کا اثر ہوتا ہے۔ تعلیمی عمل ایک مسلسل اور پوری زندگی پر محیط عمل ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے۔ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔

تعلیم کے وظائف (Functions of Education)

تعلیم انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ تعلیم کا مقصد جہاں انسان کی شخصیت کی ہمہ جہت تعمیر ہے وہاں معاشرے کی تنظیم و تشکیل بھی ہے۔

ماہرین تعلیم نے تعلیم کے تین بنیادی اور اہم ترین وظائف بیان کیے ہیں:

i- ثقافتی وتہذیبی ورثہ کا تحفظ منتقلی اور نشوونما
(Preservation, Transmission of Cultural Civilization, Heritage and Development)

ii- فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل (Fulfillment of the Individual's Basic Needs)

iii- معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو (Reconstruction of Social Life)

i- ثقافتی وتہذیبی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشوونما

ہر معاشرہ مخصوص اور منفرد خصوصیات، اقدار وروایات، تہذیب وتمدن اور ثقافت کا حامل ہوتا ہے اور اپنے اصولوں، اقدار وروایات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ معاشرہ تہذیبی اور ثقافتی حیثیت سے زندہ رہ سکے۔ انسان اور جانوروں میں بنیادی فرق یہی ہے کہ جانور افزائش نسل تک محدود رہتے ہیں جبکہ انسان، افزائش نسل کے ساتھ ساتھ اپنے نظریۂ حیات، تہذیب وثقافت اور اپنی اقدار وروایات کو بھی آنے والی نسل تک منتقل کرتا ہے۔

قدیم معاشروں میں تہذیبی وثقافتی ورثہ کی منتقلی کا فریضہ والدین سرانجام دیتے تھے وہ اپنے بچوں کو علوم وفنون سکھاتے تھے۔ اس کے بعد یہ فریضہ والدین کے علاوہ علما اور فضلا کے ذریعے سرانجام پاتا رہا۔ وہ اپنے گھروں یا مساجد کے ذریعے یہ فریضہ نبھاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ ذمہ داری سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں نے لے لی۔ اس طرح تہذیب وثقافت میں ترقی اور دیگر رونما ہونے والی تبدیلیاں مسلسل نسل نو تک منتقل ہوتی رہیں۔

تعلیمی اداروں کو ایک مثالی معاشرتی مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں معاشرے کے عقائد ونظریات، اقدار وروایات اور علوم وفنون میں نشوونما ہوتی ہے اس طرح تعلیمی ادارے تہذیبی ورثہ کی منتقلی کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہورہے ہیں۔

ii- فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل

متعلم کو تعلیمی عمل میں بہت اہم مقام حاصل ہے پورا نظامِ تعلیم اسی محور کے گرد گھومتا ہے۔ معاشرے کے وسائل وذرائع اس کی نشوونما اور تربیت کے لیے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی تعلیم وتربیت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور یہ عمل ساری عمر جاری رہتا ہے۔ بچہ اپنے والدین سے بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو اسے باقاعدہ تعلیم کے حصول کے لیے درس گاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں رسمی تعلیم کے ذریعے وہ تعلیم وتربیت کے عمل سے گزرتا ہے۔ تعلیمی ادارے میں اساتذہ اسے اپنے معاشرے اور ملک وملت کی ضروریات کے مطابق تعلیم دیتے ہیں۔ تعلیمی ادارے کے ساتھ ساتھ بچہ اپنی معاشرتی زندگی میں اپنے ماحول اور تجربات سے بھی سیکھتا ہے، اس طرح کئی عوامل مل کر بچے کی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔

بچے کی شخصیت کی تعمیر میں اس کی انفرادی صلاحیتیں، دلچسپیاں اور خواہشات پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اس کی شخصی، معاشی اور معاشرتی ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے، بچے کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور اس کی ذات کی تعمیر، تعلیم کے اہم وظیفے (Functions) کی حیثیت رکھتی ہے۔

ماہرین تعلیم بچے کی تشکیل ذات کے لیے مندرجہ ذیل ضروریات (Needs) کو اہم قرار دیتے ہیں:

ا۔ جسمانی صحت

ایک اچھا ذہن تندرست جسم میں ہی ہوسکتا ہے۔ صحت کے بغیر بچہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔ اس لیے نظامِ تعلیم اور عمل تعلیم میں بچے کی جسمانی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تعلیمی ادارے میں جسمانی ورزش، حفظانِ صحت کے اصولوں کی تعلیم، کھلا اور ہوادار ماحول، کھیلوں کے مقابلے وغیرہ بچے کے جسم کو صحت مند رکھنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

ب۔ اپنی حیثیت کی پہچان کی خواہش

ہر فرد میں اپنی حیثیت کو منوانے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ بچہ، اپنے خاندان، عزیز واقارب اور اپنے ماحول میں اپنی حیثیت

منوانے کا متمنی ہوتا ہے۔ اگر اسے گھر میں نظر انداز کیا جائے اور اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے تو وہ اضطراب اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بچے کی انا کی تسکین کے لیے اسے تعلیمی ادارے کی مختلف گروہی سرگرمیوں اور انجمنوں کا رکن بنا کر معاشرے کا فعال حصہ بنایا جاسکتا ہے۔

ج۔ شہری کے حقوق وفرائض کا علم

حقوق وفرائض کے توازن سے صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ہر متعلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایک اچھے شہری کی حیثیت سے رہنا سکھایا جائے۔ تعلیم کا کام یہ ہے کہ وہ متعلم کو معاشرے کے حقوق وفرائض سے آگاہ کرے تاکہ وہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکے اور اپنے فرائض کی ادائیگی اور حقوق کے لیے شعوری کوشش کرے۔

د۔ تعاون

معاشرے کو متوازن رکھنے اور مثبت انداز میں چلانے کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ میں تعاون کا جذبہ موجود ہو۔ مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنا اور مختلف کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا، ایسی خصوصیات ہیں جو تعلیم کے ذریعے بچے میں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا نصابِ تعلیم اور عمل تعلیم میں باہمی ربط کے ذریعے طلبا میں تعاون اور رواداری جیسی صفات پیدا کرنے کے لیے مناسب تدابیر عمل میں لائی جاسکتی ہیں۔

ر۔ معلومات کی فراہمی

ہر فرد تجسس پسند ہوتا ہے اور اس کی یہ جبلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول اور کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرے جیسے اس کے اردگرد رونما ہونے والی تبدیلیاں کیوں اور کیسے ہو رہی ہیں؟ ان کے اسباب وعلت کیا ہیں ان کے پس پردہ کون سی قوت کار فرما ہے۔ یہ کائنات کون وجود میں لایا؟ اسے کون چلا رہا ہے اور زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ان بنیادی معلومات کے ساتھ ساتھ جدید ترین ایجادات واختراعات سے آگاہی بچے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کو کائنات کے حقائق کی ترتیب وتنظیم اور تدریج سے آگاہ کرنا ضروری ہے یہ تعلیم کا فریضہ بھی ہے اور اس کی ذات کی تکمیل کے لیے بھی بہت اہم ہے۔

س۔ مہارتوں کا حصول

فرد جہاں ذہنی طور پر معلومات حاصل کرتا ہے وہاں اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر سکے مثلاً لکھنا پڑھنا، دستی کام یا مشینی کام سرانجام دینا وغیرہ۔ لہٰذا معاشرے کو تعلیم کے ذریعے بچے کی خواہش، ضروریات اور صلاحیت کے مطابق مختلف مہارتوں کی تربیت اور ہنر سکھانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔

ش۔ ورزشیں اور کھیل

فرد کی جسمانی صحت اور مقابلہ کی صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے مختلف ورزشیں اور کھیل بھی ضروری ہیں۔ تعلیمی عمل اور مدرسہ میں بچے کی دلچسپی پیدا کرنے، فارغ اوقات کے درست استعمال اور صحت مند جسمانی مقابلوں کے لیے ورزشیں اور کھیل کود کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

ص۔ مثبت اندازِ فکر اور اظہارِ خیال

افراد اپنے اور ماحول کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا غور و فکر کی عادت پیدا کرنے، اظہارِ خیال کی آزادی جیسی صفات، مثبت اندازِ فکر اور مناسب اظہارِ خیال ان کی تربیت میں مدد و معاون ثابت ہوں گی۔

ض۔ جمالیاتی حس کی تسکین

اللہ تعالٰی نے ہر شخص کو جمالیاتی ذوق سے نوازا ہے جو اسے صحیح اور غلط میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ ہر فرد خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اسے مناظرِ فطرت اور فنونِ لطیفہ سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بہم پہنچانے چاہئیں۔

ط۔ صحیح تصورِ کائنات

فرد میں تجسس کی صفت فطرتاً موجود ہوتی ہے وہ کائنات اور اشیا کائنات کے بارے میں سوال کرتا ہے، وہ اپنی تخلیق اور خالقِ کائنات کے متعلق جاننا چاہتا ہے۔ لہٰذا تعلیم کا فرض ہے کہ وہ فرد کے سامنے صحیح تصورِ کائنات پیش کرے تاکہ وہ گمراہ کن خیالات و تصورات سے محفوظ رہ سکے۔

یہ چند ایک بنیادی ضروریات ہیں جنھیں تعلیمی عمل میں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ تعلیمی مواد فرد کی عمر، فہم اور تعلیمی مدارج کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

iii- معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو

اگر تعلیم کا کام صرف ثقافتی و تہذیبی ورثے کا تحفظ و بقا ہوتا تو معاشرہ جمود کا شکار ہو جاتا اور اس میں ارتقاء اور نمو نہ ہو پاتی۔ اس لیے تعلیم کا کام محض اقدار و روایات کا تحفظ (Preservation) نہیں ہے بلکہ زندگی کے نئے راستوں سے آگہی، تنقید و اصلاح اور تخلیقیت (Creativity) بھی ہے۔

تعلیم زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے بڑھنے اور اسے ترقی دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیمی اداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تہذیبی ورثہ کی اقدار و روایات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیں۔ پسندیدہ اور مطلوب اقدار کو آئندہ نسلوں تک پہنچائیں تاکہ افراد نئے تجربات اور جدید تحقیقات کی روشنی میں معاشرے کی تعمیرِ نو اور تشکیلِ نو کا فریضہ سنبھالیں۔ تعلیم معاشرے میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل اور جدید دَور کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تشکیلِ نو کو اپنا فرض سمجھے۔

تعلیم کے اسالیب (Modes of Education)

عمومی طور پر تعلیم کے تین اسالیب ہیں:

- i- رسمی تعلیم (Formal Education)
- ii- نیم رسمی تعلیم (Non-formal Education)
- iii- غیر رسمی تعلیم (In-formal Education)

i۔ رسمی تعلیم (Formal Education)

یہ ایسی تعلیم ہے جو باقاعدہ طور پر کسی تعلیمی ادارے میں طے شدہ نصاب کے مطابق مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے دی جاتی ہے۔معاشرہ، نسل نو کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے ادارے قائم کرتا ہے جو طلبہ کی استعداد، قابلیت اور ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتے ہیں۔اس مقصد کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جاتی ہیں۔ یہ شعوری تعلیم، باقاعدہ نصاب اور ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ کی ہمہ پہلو نشوونما اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔اس میں نصاب، استاد اور طریقہ ہائے تدریس کا دورانیہ مقرر ہوتا ہے۔

ii۔ نیم رسمی تعلیم (Non-formal Education)

اس میں باقاعدہ تعلیمی اداروں کی بجائے ذرائع ابلاغ اور فاصلاتی تعلیم کے ذریعے معاشرہ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اس تعلیم کا مقصد زیادہ تر ان افراد کو تعلیم دینا ہے جو باقاعدہ طور پر کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل نہ کر سکے ہوں۔اس میں کسی حد تک نصاب تو طے کیا جاتا ہے مگر تعلیمی ادارے قائم نہیں ہوتے۔اس تعلیم میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

iii۔ غیر رسمی تعلیم (In-Formal Educatoin)

غیر رسمی تعلیم ایسی تعلیم کو کہتے ہیں۔جس میں فرد باقاعدہ کسی تعلیمی ادارے کی بجائے اپنے والدین، ماحول، معاشرہ اور ہمجولیوں سے سیکھتا ہے۔غیر رسمی تعلیم کا عمل بچے کی پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے، بچہ ماں کی گود سے سیکھنا شروع کرتا ہے، اپنے عزیز واقارب، گھر، محلے، مسجد اور اپنے اردگرد سے ہر وقت کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔اس تعلیم کے لیے نہ مقاصد تعلیم متعین ہوتے ہیں، نہ نصاب و امتحانات وغیرہ۔غیر رسمی تعلیم کا دائرہ کار رسمی اور نیم رسمی تعلیمی اداروں کی نسبت بہت وسیع ہے۔

تعلیم کی یہ تینوں اقسام، معاشرے کے افراد کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل کرتی رہتی ہیں۔غیر رسمی تعلیم کا یہ عمل مہد سے لحد تک جاری رہتا ہے۔آنحضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اُطْلُبُو الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ

علم حاصل کرو پنگھوڑے سے قبر تک۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا عمل ہمہ جہت ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی بھر جاری رہتا ہے اور انسان حسب حال اس سے استفادہ کرتا رہتا ہے۔

اہم نکات

1- تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو متعلم کی تمام صلاحیتوں کے اظہار اور ہمہ پہلو نشوونما کے نتیجے میں اس کی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے۔

2- انسان کے اندر مندرجہ ذیل صلاحیتیں ہیں۔

جسمانی صلاحیتیں، ذہنی اور فکری صلاحیتیں، معاشرتی صلاحیتیں، جذباتی صلاحیتیں، اخلاقی اور روحانی صلاحیتیں،

3- تعلیم کے عناصر: متعلم، معلم، نصاب، تعلم، تدریس، اور معاشرہ ہیں۔
4- تعلیم کے ذریعے انسان میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔
وقوفی، تاثراتی اور مہاراتی
5- تعلیم کے مندرجہ ذیل وظائف ہیں۔
تہذیبی و ثقافتی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشوونما، فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور معاشرتی زندگی کی تشکیل نو۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- ہر بیان کے ساتھ دیئے گئے جوابات میں سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- بچے کی تعلیم کا اولین مرکز ہے۔
(ا) مدرسہ (ب) معاشرہ (ج) مسجد (د) گھر

ii- معاشرے میں فرد کے مقام کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے۔
(ا) دولت (ب) ذات (ج) تعلیم (د) خاندان

iii- تعلیم کے وظائف میں شامل ہیں۔
(ا) تہذیبی ورثہ کا تحفظ اور منتقلی (ب) معاشرتی زندگی کی تشکیل نو
(ج) فرد کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل (د) مندرجہ بالا تینوں

iv- تعلیم کا سب سے بڑا مقصد ہے۔
(ا) ذاتی تسکین (ب) فرد کے کردار میں مثبت تبدیلی
(ج) حصولِ ملازمت (د) معلوماتِ عامہ کا حصول

v- نصاب کو نظامِ تعلیم میں کیا حیثیت حاصل ہے؟
(ا) ریڑھ کی ہڈی کی (ب) لوازمہ کی (ج) روح کی (ج) مندرجہ بالا تینوں کی

vi- فرد کے کردار میں تبدیلی ہے۔
(ا) تعلم (ب) تدریس (ج) نصاب (د) نظامِ تعلیم

vii- انسانی تجربات و مشاہدات سے اخذ کردہ مجموعہ معلومات ہے۔
(ا) تعلم (ب) تدریس (ج) نصاب (د) نظامِ تعلیم

viii- لفظ ایجوکیشن کون سی زبان سے ماخوذ ہے؟
(ا) عربی (ب) عبرانی (ج) لاطینی (د) یونانی

2- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہے تو "ص" کے گرد اور اگر غلط ہے تو "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- تعلیم فرد کی صلاحیتوں کے اظہار اور ان کی نشوونما کا عمل ہے۔ ص / غ

ii- تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کا مقصد معاشرتی مطابقت ہے۔ ص / غ

iii- تعلیمی عمل تعلیمی اداروں سے وابستہ ہے۔ ص / غ

iv- رسمی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم کے بنیادی عناصر الگ الگ ہوتے ہیں۔ ص / غ

v- متعلم کے تعلم کے لیے ترغیب اور آمادگی کا عمل تدریس کہلاتا ہے۔ ص / غ

vi- فرد کے کردار اور رویہ میں تبدیلی کا عمل تعلم کہلاتا ہے۔ ص / غ

vii- تعلیم اور تدریس ہم معنی الفاظ ہیں۔ ص / غ

viii- تعلیم کا سب سے اہم مقصد تعلیمی اداروں کا قیام ہے۔ ص / غ

ix- طلبہ کو تمام مضامین ایک ہی طریقہ تدریس سے پڑھائے جاسکتے ہیں۔ ص / غ

x- پیشہ تدریس سے وابستگی کے لیے طبعی رجحان ضروری ہے۔ ص / غ

xi- رسمی تعلیم باقاعدہ تعلیمی اداروں میں حاصل کی جاتی ہے۔ ص / غ

xii- بچے کی اولین درسگاہ مدرسہ ہے۔ ص / غ

xiii- تعلیمی مواد بچے کی فہم وفراست کے مطابق ہونا چاہیے۔ ص / غ

xiv- تدریس، عمل تعلیم کا عنصر نہیں ہے۔ ص / غ

xv- تعلیم ساری زندگی کا عمل ہے۔ ص / غ

3- مندرجہ ذیل بیانات میں خالی جگہ کو مناسب الفاظ لکھ کر مکمل کریں۔

i- بچے کی اولین درس گاہ .... ہے۔

ii- بچے کے اولین اساتذہ .... ہوتے ہیں۔

iii- طلبہ کو تعلم کے لیے آمادہ کرنے کا عمل .... کہلاتا ہے۔

iv- .... ان تمام مشاغل، سرگرمیوں اور علوم کا مجموعہ ہے جو مقاصد تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کو فراہم کیا جاتا ہے۔

v- فرد کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی مربوط نشوونما کا عمل .... کہلاتا ہے۔

vi- بچے کی .... کو پیش نظر رکھ کر ہر پہلو کی مناسب نشوونما کی جائے۔

vii- تہذیبی ورثے کی نئی نسل تک .... کا عمل تعلیم کا اہم فریضہ ہے۔

viii- نظامِ تعلیم میں نصاب تعلیم کی وہی حیثیت ہے، جو نظامِ مملکت میں .... کی ہے۔

ix- تعلیم کے بنیادی عناصر معلم، نصاب، معاشرہ، مدریس، تعلم اور............ ہیں۔

x- انسان کی باقی تمام مخلوقات پر فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسے............ دی جاسکتی ہے۔

حصہ انشائیہ

4- تعلیم کا مفہوم بیان کیجیے۔

5- تعلیم کے بنیادی عناصر کے نام لکھیں اور سب سے اہم عنصر کی وضاحت کریں۔

6- نصاب تعلیم سے کیا مراد ہے؟ عمل تعلیم میں نصاب کی کیا اہمیت ہے؟ وضاحت کریں۔

7- تعلم سے کیا مراد ہے؟ تعلم کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں ہونے والی تبدیلیوں کو مثالوں سے واضح کیجیے۔

8- تدریس کی تعریف کریں۔ مؤثر تدریس کیا ہوتی ہے؟ اس کی خصوصیات بیان کریں۔

9- فرد کی بنیادی ضروریات کی تشکیل میں تعلیم کے کردار پر نوٹ لکھیے۔

10- کسی قوم کے تہذیبی ورثے کے تحفظ اور منتقلی میں تعلیم اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بحث کیجیے۔

11- ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل میں تعلیم کس طرح مددگار ثابت ہوتی ہے۔ وضاحت کیجیے۔

12- تعلیم کے وظائف وضاحت سے بیان کیجیے۔

13- عمل تعلیم میں معلم کے کردار پر نوٹ تحریر کیجیے۔

14- تعلیم کے دائرہ عمل کے حوالہ سے مندرجہ ذیل کی وضاحت کیجیے۔

ا۔ وقوفی ب۔ تاثراتی ج۔ مہارتی

15- رسمی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم پر نوٹ لکھیے۔

مقاصدِ تعلیم

(Aims of Education)

تعلیم کے عمل میں وہ تمام معلومات و تجربات شامل ہیں جو بنی نوع انسان نے آغازِ انسانیت سے آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل کیے ہیں۔ یہی تجربات و مشاہدات نسل در نسل ہم تک پہنچے ہیں اور ذخیرۂ علم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ ذخیرۂ علم، تعلیم کے ذریعے نئی نسلوں تک پہنچتا ہے۔ عمل تعلیم کی منظم صورت نظامِ تعلیم کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

نظامِ تعلیم

نظامِ تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ مقاصد کے حصول کے لیے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔

نظامِ تعلیم کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اس میں اصل حیثیت مقاصدِ تعلیم کی ہے۔ کسی ملک کے نظامِ تعلیم میں تمام عناصر ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ مقاصدِ تعلیم ہی نظامِ تعلیم کو مربوط بنانے میں مدد دیتے ہیں اور یہ تمام نظامِ تعلیم میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقاصدِ تعلیم (Aims of Education)

نظامِ تعلیم کا سب سے اہم عنصر مقاصدِ تعلیم ہیں۔ تعلیم کے باقی تمام عناصر ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں۔ یہی مقاصد باقی تمام عناصر کو آپس میں مربوط اور ہم آہنگ کرتے ہیں۔ یہ پورے نظامِ تعلیم کی سمت کو درست رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اور انہیں پرکھنے کے لیے امتحانات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

مقاصدِ تعلیم، کسی بھی معاشرے کے نظریۂ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مقاصدِ تعلیم کا تعین، اپنے ملک کے تاریخی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی پس منظر میں کرتی ہے جو افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ مقاصدِ تعلیم میں سے کچھ مقاصد دائمی ہوتے ہیں جن کا تعلق اس قوم کے بنیادی تصورات و نظریات سے ہوتا ہے اور کچھ مقاصد عارضی ہوتے ہیں جو وقتی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ مقاصدِ تعلیم قومی ضروریات سے ہم آہنگ ہوں نظامِ تعلیم نئی نسل کو اپنے آبائی ورثے اور علوم و فنون سے آگاہ کر کے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کے لیے مطلوب افراد تیار کر سکے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین اور کارکنوں کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔

ہمارا ملک، پاکستان ایک عظیم تحریک کے نتیجے میں اسلامی نظریہ کی بنیاد پر ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اس نظریاتی مملکت کا وجود اس خطہ کے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس مملکت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہاں قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ایک حقیقی، اسلامی اور فلاحی معاشرہ قائم ہو جہاں معاشرتی انصاف، رواداری، اخوت

اور مساوات کی بنیاد پر لوگ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔

نظریاتی مملکت، پاکستان میں مقاصدِ تعلیم کے تعین کے لیے اسلامی نظریۂ حیات کے بنیادی تصورات کا جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کی رو سے زمین پر خدا کے حکم اور قانون کا اس طرح نفاذ کرنا ہے کہ اس میں بسنے والے باشندے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسلامی نظریہ، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے شعبہ کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرتا ہے اور اپنی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کی تشکیل چاہتا ہے۔

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم

نظریاتی مملکت پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

i- روحانی واخلاقی مقاصد ii- ذہنی وعلمی مقاصد iii- معاشی و پیشہ ورانہ مقاصد iv- سماجی وثقافتی مقاصد

i- روحانی واخلاقی مقاصد

پاکستانی معاشرے میں اخلاقی وروحانی لحاظ سے افرادِ معاشرہ کی تعلیم وتربیت کو اولیت حاصل ہے۔ اس میں رضائے الٰہی کے حصول کو اہم ترین مقصدِ تعلیم کی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معبودیت اور عقیدۂ توحید، ان مقاصدِ تعلیم کا مرکز ومحور ہے۔ اس لحاظ سے مقاصدِ تعلیم مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ رضائے الٰہی ب۔ معرفتِ الٰہی ج۔ اطاعتِ الٰہی د۔ دین اسلام کا علم اور فہم وبصیرت

ر۔ اخلاق حسنہ وتزکیہ نفس س۔ فکر آخرت

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول

تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ تمام اعمال صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہونے چاہئیں۔ اخلاص نیت کے ساتھ چھوٹا عمل بھی بہت بڑی نیکی شمار ہوگا اور منافقت کی صورت میں ایک بڑا عمل بھی وبال ثابت ہوگا۔ اس لیے تعلیم کے مقاصد میں اس نکتہ کو اولین حیثیت حاصل ہے۔

ب۔ معرفتِ الٰہی

تعلیم کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ طالب علم، تعلیم کے نتیجے میں، اللہ رب العالمین کو پہچان سکے۔ وہ اللہ ہی کو اپنا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم سمجھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور اس کی بادشاہی کا شعور حاصل کر سکے اور تعلیم کے نتیجے میں وہ خود کو اللہ کا بندہ سمجھے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونے کا یقین پیدا ہو۔ ایسی تعلیم بیکار ہے جس سے انسان اپنے مالک وخالق سے دُور ہو۔ طالب علم کو اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور اس کی تمام صفات کا علم اور یقین ہو۔

ج۔ اطاعتِ الٰہی

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ فرد اپنی عملی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ اسلامی عبادات پر عمل پیرا ہو کر حلال اور حرام میں تمیز کر سکے۔ وہ حق کی پیروی کرے اور باطل سے اپنے آپ کو بچائے اور اس طرح اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔

د۔ دینِ اسلام کا علم اور فہم وبصیرت پیدا کرنا

تعلیم کے نتیجے میں انسان کو محض خواندہ بنانا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے طالب علم میں دینِ اسلام کی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ غیر اسلامی زندگی سے بچ سکے۔ وہ اسلامی نظامِ زندگی کے مزاج اور روح سے آگاہ ہو اور فکر وعمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں طالب علم یہ جان سکے کہ کونسا طرزِ فکر اور عمل، دینِ اسلام کے مطابق ہے اور کونسا دینِ حق کے خلاف ہے۔ اسے دین کے تمام بنیادی عقائد، عبادات اور تعلیمات کا علم حاصل ہو اور یقین ہو کہ اصل حقائق وہ ہیں جو دین اسلام پیش کرتا ہے۔

ر۔ اخلاقِ حسنہ اور تزکیہ نفس

طالب علم، اسلامی عقائد وعبادات اور فہمِ دین کے ساتھ ساتھ، اپنی سیرت وکردار، عادات واطوار اور عملی زندگی ایک اسلامی ریاست کے باشعور اور باکردار مسلمان شہری کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو۔ وہ اپنے گفتار وکردار میں اسلامی رویے کا عملاً مظاہرہ کرے۔ اسی طرح اخلاقیات کو انسانی زندگی میں اہم مقام حاصل ہے۔ تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ انسان، اچھے اخلاق کو اپنانے والا اور برے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں سے بچنے والا ہو۔ نفس کی پاکیزگی اور اخلاق حسنہ اعلیٰ انسانی صفات ہیں۔ تعلیمی عمل کے نتیجے میں ہر بچے میں ان صفات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

س۔ فکرِ آخرت

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم، انسان کو اپنی حقیقی یعنی آخرت کی زندگی میں کامیابی اور فلاح کے لیے تیار کرے۔ اسے ہر وقت یہ احساس ہو کہ موجودہ دنیا میں، اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو، جو کل یعنی آخرت کی زندگی میں اس کے لیے وبال اور نقصان کا باعث بنے۔ اس طرح آخرت کی فکر اور کامیابی قدم قدم پر اس کے پیش نظر رہے۔

تعلیم کے مندرجہ بالا مقاصد، ایک انسان کو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار، متقی اور پرہیزگار بندہ بننے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ وہ خود نیکی پر عمل کرنے والا اور دوسروں تک اس نیکی کے پیغام کو پہنچانے والا ہو، دین حق کی روشنی دوسروں تک پہنچانا اور غلبۂ دین کے لیے اپنی پوری توانائیاں صَرف کرنا ایک تعلیم یافتہ فرد کا نصب العین ہو۔ وہ صبر واستقامت سے راہِ حق پر گامزن رہے اور وقت آنے پر اپنے ملک وقوم اور ملتِ اسلامیہ کے لیے اپنی جان اور مال قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

ii- ذہنی اور علمی مقاصد

تعلیم، ہمیشہ معاشرے کے فلسفۂ حیات کے تابع ہوتی ہے فلسفہ جہاں زندگی کے تمام شعبوں کو بنیادی تصورات وافکار فراہم کرتا ہے، وہاں نظامِ تعلیم کے لیے فکری بنیاد بھی، فلسفۂ حیات سے حاصل ہوتی ہے۔ تعلیم کا عمل پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہتا ہے۔ تاریخ کتنا ہی فاصلہ طے کر جائے یا زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے، جب تک یہ دنیا قائم ہے اور اس پر انسان کا وجود ہے، وہ ان بنیادی سوالات کا سامنا کرتا رہے گا۔ ان بنیادی سوالات میں انسان، کائنات، خالق کائنات اور زندگی کا حقیقی تصور شامل ہیں۔

گویا انسان، کائنات، خدا اور زندگی کے حقیقی تصورات کو جانے بغیر تصورِ تعلیم اور مقاصدِ تعلیم کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے ہر معاشرہ میں اہلِ فکر ونظر نے ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اپنے افراد معاشرہ کے لیے اور خاص طور پر اپنی نسل نو کے لیے تعلیمی افکار اور مقاصدِ تعلیم وضع کیے ہیں۔

پاکستان جیسی نظریاتی مملکت کے نظامِ تعلیم میں ذہنی اور علمی نقطہ نظر سے تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد ہونا ضروری ہیں۔

ا۔ خودشناسی ب۔ تسخیر کائنات ج۔ تصور علم سے آگہی

د۔ خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریاں ر۔ عالمی قیادت کی صلاحیت

ا۔ خودشناسی

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم کے نتیجے میں خودشناسی، خودآگہی اور معرفتِ نفس کے ذریعے انسان نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں استعمال میں لاسکتا ہے، بلکہ انہیں نشوونما دے کر اعلیٰ مراتب تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسے خودی کا نام دے کر تعلیمی مقاصد کے لیے ایک علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

ب۔ تسخیر کائنات

تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ طالب علم اس کائنات کی حقیقت کو سمجھے۔ اس کے پوشیدہ خزانوں کا کھوج لگائے۔ اس کائنات کو اپنے مقاصد کے لیے جائز اور بھرپور طریقے سے استعمال میں لائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر شمار کرے۔ تسخیر کائنات کے لیے سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کا حصول ضروری ہے۔

ج۔ تصور علم سے آگہی

تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ طالب علم، علم کے حقیقی تصور سے آگاہ ہو کر حقیقی سرچشمہ علم اور ذرائع علم سے واقفیت حاصل کرے اور انہیں استعمال میں لا کر کائنات کے اصل حقائق (Facts) اور حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اسے معلوم ہو کہ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور حقیقی ذریعہ علم وحی ہے۔ اصل حقائق تک رسائی صرف اسی ذریعہ علم سے ہو سکتی ہے۔ باقی ذرائع علم قیاس پر مبنی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

د۔ خلافت الٰہی کی ذمہ داریاں پہچاننا

مقاصد تعلیم میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ وہ باقی تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ لہٰذا نائب الٰہی کے تقاضوں کو سمجھ کر اس کائنات میں اپنے فرائض کی ادائیگی کرے تاکہ یہ کائنات پوری انسانیت کے لیے امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

ر۔ قیادت عالم کی صلاحیت پیدا کرنا

تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کو عالمی قیادت کے منصب کیلئے اہل بنانا اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس طرح آگے بڑھانا کہ وہ عالمی قیادت کے منصب کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کریں۔

دنیا کی قیادت، علم وہنر کی مرہون منت ہے۔ نظام تعلیم کے ذریعے اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کی تیاری، تعلیم کا اہم مقصد ہونا چاہیے۔

iii- معاشی و پیشہ ورانہ مقاصد

ہمارے نظام تعلیم کے مقاصد کے تعین میں زندگی کے مختلف شعبوں کیلئے افراد معاشرہ کی تیاری پیش نظر رہنی چاہیے تاکہ

فارغ التحصیل افراد، حلال روزی کمانے کے اہل ہوں اور مختلف پیشوں کو اپنا کر اپنے لیے، اپنے اہل وعیال اور ملک وقوم کے لیے معاشی ترقی کا باعث ہوں۔ تعلیم ایسی با مقصد ہونی چاہیے کہ اس سے ہنر مند افراد تیار ہوں مثلاً ڈاکٹر، انجینئر ٹیکنیشن، اساتذہ اور وکلا تاکہ تعلیم یافتہ کارکن ملکی معیشت کو ترقی دینے میں مددگار ثابت ہوسکیں۔ تعلیم کا مقصد صرف پڑھے لکھے بیروزگاروں کی کھیپ تیار کرنا نہ ہو بلکہ ملکی اور بین الاقوامی ضروریات کے مطابق پیشہ ورانہ مہارت کے حامل افراد تیار کرنا ہو۔

تعلیم کے مندرجہ ذیل معاشی اور پیشہ ورانہ مقاصد ہیں۔

ا۔ ہنر مند افراد کی تیاری

تعلیم کی بدولت ملک وقوم کو ایسے افراد مہیا ہوتے ہیں جو مختلف پیشوں میں مہارت رکھتے ہیں مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ، ایگریکلچر وغیرہ، اس طرح معاشرے کی مختلف النوع معاشی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور معاشرے کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

ب۔ معاشی ترقی اور خوشحالی

تعلیم یافتہ افراد ملکی معیشت میں ترقی اور خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ ملک کی قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے جو معاشی کامیابی کی ضمانت ہے۔

ج۔ معاشی خود کفالت

تعلیم کی بدولت ایسے افراد تیار ہوتے ہیں جو معاشرے پر معاشی بوجھ نہیں بنتے۔ وہ مختلف پیشوں اور مہارتوں کے باعث روزگار حاصل کر لیتے ہیں اور روپیہ پیسہ کما کر خود کفیل ہوتے ہیں جس سے معاشرہ معاشی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہے۔

iv- سماجی وثقافتی مقاصد

معاشرے کی تشکیل اور ارتقا کیلئے باشعور شہریوں کی تیاری وفراہمی ضروری ہے۔ اس نقطہ نظر سے تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔

ا۔ شہریت کے حقوق وفرائض کا شعور پیدا کرنا۔
ب۔ حفظان صحت کے اصولوں کا فہم اجاگر کرنا۔
ج۔ سیاسی بصیرت وشعور پیدا کرنا۔
د۔ امت مسلمہ کا تصور ذہن نشین کرنا۔
ر۔ وحدت انسانی کا شعور پیدا کرنا۔

ا۔ شہریت کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کیلئے تیاری

تعلیم کے ذریعے ہر شہری کو اس قابل بنانا کہ وہ معاشرے میں دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے قابل ہو اور اپنے فرائض کو پہچان کر انہیں ٹھیک طور پر ادا کرے۔ اس طرح ایک صحت مند متوازن اور عادلانہ معاشرہ کے قیام کیلئے مطلوبہ شہری تیار کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ب۔ حفظان صحت کے اصولوں کا فہم اجاگر کرنا

مقاصد تعلیم میں یہ بات بھی شامل ہو کہ طالب علم اپنی ذات، ماحول اور معاشرے میں حفظان صحت کے اصولوں کا فہم وشعور رکھتے ہوں اور ان پر عمل پیرا ہو کر انفرادی اور اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے صاف اور صحت مند معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا

کر سکیں۔

ج۔ سیاسی بصیرت وشعور پیدا کرنا

تعلیم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نسل نو میں اپنے قومی مسائل کا فہم وشعور ہو اور وہ سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کر سکیں۔ اپنی قیادت کے انتخاب میں اہلیت، اعلیٰ معیار اور اچھی صفات کے حامل افراد کو منتخب کر کے ایک جمہوری معاشرے کے قیام میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اور سیاسی بصیرت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے قومی معاملات میں اقلیتوں کو بھرپور طریقہ سے شامل کر سکیں۔

د۔ امت مسلمہ کا تصور اجاگر کرنا

مقاصد تعلیم میں امت مسلمہ کے تصور کا شعور پیدا کرنا بھی شامل ہونا چاہیے تاکہ طلبہ یہ جان سکیں کہ وہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلمان امت کے ساتھ اخوت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہیں۔ ان کی تکلیفوں کو دور کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔

ر۔ وحدت نسل انسانی کا تصور پیدا کرنا

تعلیم کے ذریعے اس احساس کو پیدا کرنا کہ پوری انسانیت، اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ نسل انسانی کا آپس میں وحدت کا رشتہ ہے۔ اس طرح انسانیت کے تقاضوں کو سمجھنا انسانی حقوق کی سربلندی اور پوری دنیا کے انسانوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا، تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے تاکہ ایک عالمگیر، انسانی معاشرہ وجود میں آسکے جو ہر قسم کے تعصبات اور امتیازات سے پاک ہو۔

تعلیم کی اقسام

تعلیم کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

i- عام تعلیم ii- پیشہ ورانہ تعلیم

i- عام تعلیم

ایسی تعلیم ہے جس کا اہتمام سکولوں، کالجوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں کیا جاتا ہے عام تعلیم کہلاتی ہے۔ ہر معاشرہ اپنی بقا اور تسلسل کے لیے تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے وہ اپنے عقائد ونظریات اپنی اقدار وروایات اور اپنی تہذیب وثقافت نسلِ نو کو منتقل کرتا ہے۔ اسی طرح معاشرتی آداب، رہن سہن کے طریقے، انسانی تعلقات، اجتماعی زندگی گزارنے کے طریقے اور زندگی کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات بھی نسلِ نو تک پہنچاتا ہے۔ تعلیم کا ایک اہم مقصد فرد کو اس قابل بنانا بھی ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر خواندہ بن سکے۔

خواندگی ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ ہر معاشرہ خواندگی پر بہت زور دیتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں خواندگی کی شرح تاحال بہت کم ہے تاہم اس کے لیے کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

پاکستان میں عام تعلیم تین مدارج پر مشتمل ہے جس میں ابتدائی، ثانوی واعلیٰ ثانوی اور اعلیٰ سطح کی تعلیم شامل ہے۔ نرسری سے ایم۔اے تک کی تعلیم اس زمرے میں آتی ہے۔ تاہم سائنسی تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم اس میں شامل نہیں ہے۔

عمومی تعلیم کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

ا۔ ابتدائی یا ایلیمنٹری ایجوکیشن

پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک کی تعلیم ابتدائی یا ایلیمنٹری ایجوکیشن کہلاتی ہے اس کا دورانیہ 8 سال ہے پرائمری ایجوکیشن کا دورانیہ ایک سے پانچ سال اور مڈل ایجوکیشن کا دورانیہ تین سال کا ہے۔

ب۔ ثانوی تعلیم یا سیکنڈری ایجوکیشن

دسویں جماعت تک کی تعلیم کو ثانوی اور بارہویں جماعت تک کی تعلیم کو اعلیٰ ثانوی یا ہائیر سیکنڈری ایجوکیشن کہتے ہیں۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے لیے ہمارے ملک میں ہائی سکولز یا ہائیر سیکنڈری سکولز قائم ہیں۔

ج۔ اعلیٰ تعلیم یا ہائیر ایجوکیشن

تیرھویں جماعت سے لے کر سولہویں جماعت تک کی تعلیم اعلیٰ تعلیم کہلاتی ہے بی۔اے تک گریجویشن اور ایم اے کی تعلیم کو پوسٹ گریجویشن کہا جاتا ہے۔ یہ تعلیم کالجز اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایم فل، پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ کی تعلیم بھی اعلیٰ تعلیم کہلاتی ہے۔

ii- پیشہ ورانہ تعلیم

معاشرہ عمومی تعلیم کے ذریعے اپنی تہذیب وثقافت اور اپنی اقدار وروایات نسلِ نو تک منتقل کرتا ہے لیکن تمدنی ضروریات کی تکمیل اس سے ممکن نہیں ہوتی لہٰذا وہ زندگی کے مختلف شعبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم کا اہتمام کرتا ہے۔ اس تعلیم میں طب، انجینئرنگ، زراعت، تجارتی اور کاروباری تعلیم وغیرہ شامل ہیں اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ طب کی تعلیم

معاشرے کے افراد کو صحت مند رکھنے اور انہیں مختلف بیماریوں سے بچانے کے لیے طب کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ تعلیم نہ صرف معاشرے کی ضرورت کو پورا کرتی ہے بلکہ معاشرہ کے استحکام کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ طبی تعلیم کے لیے بنیادی تعلیم ایف۔ ایس۔سی ہے۔ جس کے بعد طالب علم میڈیکل کالج میں داخلہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس کورس کا دورانیہ پانچ سال پر مشتمل ہے۔

ب۔ انجینئرنگ کی تعلیم

ملک کی صنعتی ترقی کے لیے انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مختلف انجینئرنگ کالج اور یونیورسٹیاں یہ خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔ انجینئرنگ کی تعلیم سول، الیکٹریکل، میکینکل اور دیگر شعبوں میں منقسم ہے۔ اس کے لیے بنیادی تعلیم ایف۔ ایس۔ سی (پری انجینئرنگ) ہے۔ ایف۔ ایس۔سی کرنے کے بعد طالب علم انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتا ہے اور چار سالہ کورس کے بعد ڈگری حاصل کرتا ہے۔

ج۔ زراعت کی تعلیم

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اسے زرعی لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے۔ جس کے لیے زیادہ سے زیادہ رقبہ زیر کاشت لانا ضروری ہے۔ نیز بڑھتی ہوئی آبادی کی معاشی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس میدان میں ترقی نہایت ضروری ہے۔

پاکستان کے تمام صوبوں میں زرعی یونیورسٹیاں موجود ہیں جہاں زرعی تعلیم دی جاتی ہے طلبہ ایف۔ ایس۔ سی کے بعد داخلہ کے اہل ہوتے ہیں جہاں بی ایس سی آنرز (زراعت) اور ایم ایس سی آنرز (زراعت) کرائے جاتے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں فصلوں اور پھلوں وغیرہ میں اضافے اور بیجوں اور فصلوں کی نئی اقسام کی دریافت وغیرہ پر تحقیق ہوتی ہے۔

د۔ تجارتی اور کاروباری تعلیم

کاروبار اور معاشی ترقی کے لیے تجارت اور ٹیکسٹائل وغیرہ کے شعبوں میں ایسے افراد کی مانگ بڑھتی جارہی ہے جو اس میدان میں پیشہ ورانہ تعلیم کی ڈگری رکھتے ہوں۔

تجارتی و کاروباری تعلیم کے لیے کمرشل کالجز، کامرس کالجز اور بزنس کالجز موجود ہیں جہاں سے طلبہ تعلیم حاصل کر کے ان شعبوں میں جاتے ہیں۔

ر۔ قانون کی تعلیم

معاشرے میں امن و امان قائم کرنے اور عام افراد کو عدل و انصاف مہیا کرنے کے لیے قانون کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مختلف یونیورسٹیاں قانون کی تعلیم کا اہتمام کرتی ہیں۔ بی۔ اے کے بعد قانون کی تعلیم میں داخلہ ملتا ہے۔ قانون کی تعلیم (ایل ایل بی) کا دورانیہ دو سال سے بڑھا کر تین سال کر دیا گیا ہے۔

س۔ ہوم اکنامکس کی تعلیم

معاشرے کی معاشی ترقی خواتین کی شرکت کے بغیر ناممکن ہے۔ گھریلو بجٹ، گھروں کی تزئین و آرائش، بچوں کی پرورش اور نگہداشت کے لیے خواتین کی تعلیم ضروری ہے اس کے لیے ہوم اکنامکس کے ادارے موجود ہیں جہاں خواتین تعلیم حاصل کر کے سلیقے کے ساتھ گھر کا انتظام چلا سکتی ہیں۔

ش۔ تربیت اساتذہ

تعلیمی نظام میں استاد کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اچھے استاد کے بغیر بہترین تعلیم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم کے شعبے میں آنے والے اساتذہ کی صحیح تربیت کی جائے۔ دنیا بھر میں اساتذہ کی تربیت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

پاکستان میں اساتذہ کی تربیت کے لیے ایلیمنٹری کالجز، کالجز آف ایجوکیشن اور ادارہ ہائے تعلیم و تحقیق جیسے ادارے موجود ہیں جبکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی آف ایجوکیشن بھی قائم کی جا چکی ہے۔ بی۔ ایڈ کرنے کے لیے بی۔ اے تک کی تعلیم ضروری ہے جب کہ ایم۔ ایڈ کے لیے بی۔ ایڈ کی تعلیم ضروری ہے۔ بی۔ اے کے بعد ایم۔ اے ایجوکیشن میں داخلہ ملتا ہے۔ جب کہ ایف۔ ایس۔ سی کے بعد بی۔ ایس۔ ایڈ کی ڈگری 3 سال میں دی جاتی ہے۔

ص۔ کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم

دورِ جدید میں کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا کے تمام ممالک ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں اور دنیا ایک گلوبل ولیج (Global Village) بن گئی ہے۔

پیشہ ورانہ تعلیم کی مجموعی ترقی کے لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم نے انفارمیشن کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ کمپوزنگ، ڈیزائننگ اور ترسیل معلومات کے حوالے سے کمپیوٹر اہم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو

سمیٹ کر قریب کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہر قسم کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اب دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں سے انٹرنیٹ کے ذریعے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اہم نکات

1- نظام تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کیساتھ مقاصد کے حصول کے لئے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔

2- مقاصد تعلیم، نظام تعلیم کا سب سے اہم عنصر ہیں جو کسی بھی معاشرے کے نظریہ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

3- **پاکستان کے نظامِ تعلیم کے مقاصد تعلیم یہ ہیں۔ روحانی واخلاقی مقاصد، ذہنی وعلمی مقاصد، معاشرتی و پیشہ وارانہ مقاصد، سماجی وتہذیبی مقاصد**

4- تعلیم کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ عام تعلیم اور پیشہ وارانہ تعلیم

عام تعلیم میں ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک شامل ہے جبکہ پیشہ وارانہ تعلیم میں زراعت، طب، انجینئرنگ، تجارتی تعلیم اور قانونی تعلیم شامل ہے۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو "ص" کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- نظامِ تعلیم کا اہم ترین عنصر مقاصدِ تعلیم ہے۔	ص / غ
ii- اسلام بنیادی طور پر تعلیم وتربیت کا نظام ہے۔	ص / غ
iii- نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کو مقاصدِ تعلیم مربوط کرتے ہیں۔	ص / غ
iv- مقاصدِ تعلیم کا نظامِ تعلیم کی سمت کے تعین میں کوئی کردار نہیں۔	ص / غ
v- مقاصدِ تعلیم معاشرے کے نظریۂ حیات اور افکار سے ماخوذ ہوتے ہیں۔	ص / غ
vi- اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی، تعلیم کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔	ص / غ
vii- تعلیم کا مقصد افراد کو دنیا کی کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔	ص / غ
viii- تعلیم کا مقصد افرادِ معاشرہ کو محض پڑھنے لکھنے کے قابل بنانا ہے۔	ص / غ
ix- جس تعلیم کے نتیجے میں ایمان ویقین پیدا نہیں ہوتا وہ حقیقی تعلیم نہیں ہے۔	ص / غ

x- تعلیم یافتہ فرد کے لیے اچھے اخلاق کا اپنانا ضروری ہے۔ ص/غ

xi- حقیقی کامیابی، آخرت کی زندگی میں کامیابی ہے۔ ص/غ

xii- خودشناسی کو علامہ اقبالؒ نے خودی کا نام دیا ہے۔ ص/غ

xiii- تسخیر کائنات کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم ضروری نہیں۔ ص/غ

xiv- علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ص/غ

xv- عالمی قیادت کے لیے تیاری پیشہ ورانہ علوم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ ص/غ

xvi- تعلیم کا مقصد پڑھے لکھے لوگ تیار کرنا ہے۔ ص/غ

xviii- مقاصدِ تعلیم طے کرتے وقت، معاشرے کے تمام افراد کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ص/غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- نظامِ تعلیم کا سب سے اہم عنصر کون سا ہے۔

(ا) مقاصدِ تعلیم (ب) نصابِ تعلیم

(ج) حکمتِ تدریس (د) امتحانات

ii- اسلام کے نقطۂ نظر سے کیا لازم ہے؟

(ا) دینی تعلیم (ب) دنیوی تعلیم

(ج) دینی و دنیوی تعلیم (د) محض جدید تعلیم

iii- نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

(ا) محض مختلف عناصر کو مربوط کرتے ہیں (ب) روح کی حیثیت رکھتے ہیں

(ج) علم کا حقیقی سرچشمہ ہیں۔ (د) کوئی کردار ادا نہیں کرتے

iv- علم کا حقیقی ذریعہ کیا ہے؟

(ا) وحی (ب) سائنسی تحقیقات

(ج) جدید ٹیکنالوجی (د) فلسفہ

v- انسان کیا ہے؟

(ا) عقلی حیوان (ب) معاشی حیوان

(ج) سماجی حیوان (د) سیاسی حیوان

3- مناسب ترین الفاظ سے جملہ مکمل کریں۔

i- مقاصدِ تعلیم کسی بھی معاشرے کے.................. سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

ii- تعلیم کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ طالب علم، تعلیم کے نتیجے میں.................. کو پہچان سکے۔

iii- تعلیم افراد اور معاشرہ کو عالمی قیادت کے منصب کے لیے.................. بناتی ہے۔

iv- تعلیم کا ایک مقصد.................. افراد تیار کرنا بھی ہے۔

v- تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ.................. اپنے خاندان، ماحول اور معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے اپنا مقام پیدا کرے۔

vi- انسانی شخصیت میں اس کے.................. کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

vii- باہمی تعاون سے معاشرے میں.................. اور مل جل کر رہنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

viii- تعلیم کے مقاصد میں طالب علم کی.................. کی تشکیل کا اہتمام ہونا چاہیے۔

ix- تعلیم کا مقصد صرف پڑھے لکھے بے روزگاروں کی کھیپ تیار کرنا نہیں بلکہ ملکی اور بین الاقوامی

x- ضروریات کے مطابق.................. کے حامل افراد تیار کرنا ہے۔

انشائیہ حصہ

4- نظامِ تعلیم کی تعریف کریں اور اس کے بڑے بڑے عناصر کے نام لکھیں۔ ان میں سے اہم ترین عنصر کی وضاحت کریں۔

5- نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم کے مقام اور حیثیت کا تعین کیجیے۔

6- مقاصدِ تعلیم سے کیا مراد ہے۔ پاکستان میں نظامِ تعلیم کے مقاصد کے تعین میں کن باتوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے؟

7- روحانی و اخلاقی مقاصدِ تعلیم کی تفصیل بیان کریں۔

8- تعلیم کے ذہنی اور علمی مقاصد تفصیل سے بیان کریں۔

9- تعلیم کے معاشی و پیشہ ورانہ مقاصد بیان کیجیے۔

تیسرا باب

تعلیم کی بنیادیں

(Foundations of Education)

تعلیم ایک جامع لفظ ہے، جس کا وسیع مفہوم ہے۔ تعلیم کے ذریعے جہاں طالب علم کو معلومات اور مہارتیں سکھائی جاتی ہیں اور اسے حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے وہاں اس کی تعلیم و تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تعلیم میں وہ تمام معلومات اور تجربات شامل ہیں جو بنی نوع انسان نے آغاز انسانیت سے آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں نسل در نسل منتقل کر کے ہم تک پہنچائے ہیں۔

عملِ تعلیم خلا میں سرانجام نہیں پاتا بلکہ یہ انسانی معاشرے اور قومی نظریۂ حیات کی روشنی میں تربیت پا کر عمل کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ ہر قوم پہلے اپنا نظریۂ حیات طے کرتی ہے پھر اس کے مطابق نئی نسل کے لیے نظام تعلیم متعین کرتی ہے۔ کسی بھی قوم کے طرزِ فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار و روایات کے مجموعہ کو نظریۂ حیات کہا جاتا ہے گویا کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر، اس کا قومی نظریۂ حیات قرار پاتا ہے۔ عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریۂ حیات سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے تعلیم، قومی نظریۂ حیات کی نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔

تعلیم کی چار مندرجہ ذیل اہم بنیادیں (Foundations) ہیں:-

1- نظریاتی بنیادیں (Ideological Foundations)

2- فلسفیانہ بنیادیں (Philosophical Foundations)

3- نفسیاتی بنیادیں (Psychological Foundations)

iv- سماجی اور معاشی بنیادیں (Sociological & Economical Foundations)

ان چاروں بنیادوں کو زیرِ بحث لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کسی قوم کا نظریۂ حیات کیا ہے جس سے ان بنیادوں کے تصورات جنم لیتے ہیں۔

1- نظریاتی بنیادیں

کوئی بھی نظریۂ حیات، زندگی کے بارے میں چند بنیادی سوالات کے جوابات کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے مثلاً اس کائنات کا خالق کون ہے؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اس کائنات اور انسان کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ کیا موت کے بعد دوبارہ زندگی ہے یا موت ہی اس زندگی کا انجام ہے؟ اگر ان کا خالق ہے تو اس خالق کے ساتھ انسان کا رشتہ کیا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے صحیح جوابات کی روشنی میں نظریۂ حیات کا تعین ہوتا ہے اور اس سے افرادِ معاشرہ کے لیے عمل تعلیم کی بنیادیں طے ہوتی ہیں۔

اسلامی نظریہ حیات

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے لہٰذا اسلامی نظریہ حیات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مادی کائنات، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں عطا کیں۔ نیکی اور بدی کی تمیز دی۔ اسے اپنی سوچ، ارادے اور عمل کی آزادی دی۔ اس کائنات میں تصرف کے اختیارات بخشنے کا مقصد آزمائش اور امتحان ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو مان کر اور نافذ کر کے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالے۔

اسلامی نظریۂ حیات زندگی کو دین اور دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کو ایک وحدت قرار دے کر پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت میں بسر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جسم اور روح آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلامی تصور کی رو سے، مادیت اور روحانیت کی وحدت سے انسانی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ اسی وحدت سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، معاشی ہو یا سیاسی۔ اس نظریۂ حیات کی رو سے زمین میں خدا کے حکم اور قانون کا نفاذ اور انسانی زندگی کو رضائے الٰہی کے تابع کرنا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے شعبے کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرتا ہے اور اپنے مخصوص تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کی تشکیل کرتا ہے۔

انسان کا مقصدِ تخلیق اطاعت الٰہی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اللہ کی طرف سے رہنمائی اور تربیت کا محتاج ہے، یہ ہدایت انبیاءؑ کے ذریعے انسانوں کو عطا ہوئی ہے۔ یہ ہدایت قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی صورت میں موجود ہے۔ انسان ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے اور قیامت کے روز یہ جوابدہی لازمی ہے۔

اسلامی تعلیم کا تصور

اسلامی نقطۂ نگاہ سے تعلیم انسان کی سیرت کی تعمیر و تشکیل اس انداز سے کرتی ہے کہ وہ خلافت الٰہی کے منصب پر فائز ہو سکے۔ ایک طرف وہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر انہیں سرانجام دے سکے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے، گویا اسلامی تعلیم، خلیفۃ اللہ فی الارض کا شعور پیدا کرنے اور اس کے لیے تیاری کا نام ہے۔ اسلامی تصور تعلیم، عام تعلیم سے اسی لحاظ سے مختلف ہے کہ عام تعلیم انسان کو معاشرے کے ایک شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے جب کہ اسلامی تعلیم اسے ایک مسلمان شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے۔

اسلامی تعلیم انسان کے بنیادی تصورات و اعتقادات کو اسلامی احکامات کی روشنی میں درست کرتی ہے۔ اس کی سیرت و کردار کو اسلامی نقطۂ نظر سے سنوارتی ہے، اس کا تزکیہ نفس کرتی ہے اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بحیثیت مسلمان بسر کرنے کے قابل بناتی ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے جنت کا مستحق قرار پائے۔

اسلامی تعلیم انسان کو خدا شناس، خود شناس اور کائنات شناس بناتی ہے۔ معرفتِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے احکام کو جاننا اور پہچاننا، اسلامی تعلیم کی اہم بنیاد ہے۔ اسی طرح انسان کے ذہن میں اللہ کی بندگی کا تصور راسخ کرنا اور کائنات کے حقائق کو سمجھ کر، اس کائنات اور اس میں موجود قوتوں پر اللہ کی رضا کے مطابق حکمرانی کی صلاحیت پیدا کرنا، اسلامی تعلیم کا مقصود ہے۔ اسلامی تعلیم کا مرکز و محور معرفت الٰہی، اطاعتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

اسلامی تعلیم ہدایت الٰہی کی روشنی میں، انسان کی روحانی، ذہنی، جذباتی، جسمانی، معاشی اور معاشرتی صلاحیتوں کو جلا بخش کر، اس کی شخصیت کی جامع اور متوازن نشوونما کرتی ہے۔

تعلیم کی اسلامی بنیادیں

تعلیم کی اسلامی بنیادوں میں مندرجہ ذیل نکات نہایت اہم ہیں:۔

1- اسلامی نقطۂ نظر سے حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ سب سے اعلیٰ اور قطعی ذریعہ علم وحی الٰہی ہے جو حقیقی سرچشمہ علم اور حقیقت مطلقہ تک رسائی میں مدد دیتا ہے۔

2- اسلامی تعلیم کا اساسی نکتہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے منصوبے، ارادے اور علم کی بنیاد پر ہے۔ انسان کا مقام خلیفہ اور نائب کا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد بندگی ربّ ہے اور اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوبداہ ہے۔

3- سب سے اعلیٰ قدر رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ تعلیم کی اسلامی تشکیل وتنقید میں اصل نقطۂ نظر ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا اطاعت شعار بن جائے۔

4- اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اسلام زندگی کو دین ودنیا کے دوحصوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کو ایک کل کی حیثیت سے ایک جامع زندگی کے لیے تیار کرتا ہے گویا مادہ وروح کی الگ الگ حیثیت کی بجائے دین ودنیا کی وحدت کا قائل ہے۔

5- اسلام کی اساس وہ بنیادی تصورات اور عقائد ہیں۔ جس سے اسلامی نظریۂ حیات تشکیل پاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی تجربات بھی ضروری ہیں۔

6- اسلامی تعلیم کے چار بنیادی عناصر تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ہیں۔

7- تعلیمی مقاصد، نصاب تعلیم، حکمتِ تدریس اور سارے عمل تعلیم کا فکری سرچشمہ قرآن حکیم اور سنتِ رسولؐ ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں عملِ تعلیم کو بروئے کار لایا جائے گا۔ اسلامی تعلیم کی تیار کردہ شخصیت دینی ودینوی علوم کی حامل ہوگی اور وہی اسلامی ریاست میں قیادت کا فریضہ سرانجام دے گی۔

8- دین کی سربلندی، ملک اور ملت اسلامیہ کا تحفظ اور دعوت دین اسلامی تعلیم کی روح ہے۔

9- اسلامی تعلیم، معاشرے کے تمام افراد کے لیے یکساں مواقع فراہم کرنے کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تمام لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق تعلیم وتربیت پاسکیں۔

10- اسلامی تعلیم کی اہم فکری اساس، آخرت کی فلاح کا حصول ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے، یہ واحد دین ہے جس نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ بنیادی طور پر اسلام، تعلیم وتربیت کا

Set2 Side A 12/16/2007 AlmeaTaleem Education 11

ایک نظام ہے۔ جس کی عمارت کی پہلی اینٹ لفظ ''اقراء'' سے اٹھائی گئی جس کے معنی ''پڑھنا'' ہیں۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کا آغاز اسی لفظ سے ہوا اور پہلی وحی میں تعلیم سے متعلق الفاظ کی پانچ مرتبہ تکرار سے تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ تخلیق آدمؑ کے وقت فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدمؑ کی فضیلت کے لیے ان کی تعلیم کی صلاحیت کا ذکر فرمایا، جو فرشتوں کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں علم اور تعلیم کے حوالے سے بے شمار آیات اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

1- ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جنھیں علم بخشا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔'' (المجادلہ: 11)

اسی طرح فرمایا:

2- ترجمہ: ''اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور یہی شہادت فرشتوں اور سب اہلِ علم نے دی ہے۔''
(آل عمران: 18)

علم و علما کی فضیلت و شرف کی نشاندہی قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے۔ فرمایا۔

3۔ ترجمہ: ''اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔'' (الزمر: 9)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا سکھائی گئی۔

''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (طٰہٰ: 114)

4- ترجمہ: ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔''

ان آیات کریمہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اسلام میں پڑھنا اور پڑھانا روزِ اوّل سے خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

حصولِ علم اور اشاعتِ علم اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسلام میں عملِ تعلیم کی عظمت کا اندازہ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لگایا جا سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

1- ''معلم بن جاؤ یا متعلم اور تیسری حالت اختیار نہ کرو۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے تذکرہ میں واضح طور پر تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وظائف میں شمار فرمایا۔

حضور اکرمؐ نے اپنے لیے جس حیثیت کا اظہار فرمایا وہ یہ تھی:

2۔ ''مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ حکیم کی تعلیم و تدریس کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

3- ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور پھر اس کی تعلیم دے۔'' (ابن ماجہ)

4- آپؐ کے ارشادات میں طالب علم اور معلم دونوں کے لیے بڑی بشارتیں ہیں مثلاً یہ کہ ''طالب علم کے استقبال کے لیے فرشتے

اپنے پر بچھاتے ہیں اور معلم کے لیے کائنات کی ہر شے دعائے خیر کرتی ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

5- "جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ فی سبیل اللہ جہاد میں ہوتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آئے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

6- "اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، تمام آسمانی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں انسانیت کے معلمین کے لیے دعا کرتے ہیں۔"

7- "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" (المعجم الاوسط)

ان آیات کریمہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم، تعلیم اور معلم کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

ذرائع علم (Sources of Knowledge)

تعلیم کے عمل میں، بنیادی طور پر انسانی زندگی میں حاصل شدہ مشاہدات و تجربات نئی نسل تک پہنچائے جاتے ہیں۔ یہ تجربات و مشاہدات علم کی صورت میں مرتب ہوتے ہیں۔ علم سے مراد کسی بھی شے کا جاننا، پہچاننا، سمجھنا یا اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہے۔ ان اشیاء میں مادی اشیاء بھی شامل ہیں اور غیر مادی اشیاء بھی، جن کا تعلق اس دنیا کی زندگی کی بجائے آخرت کی زندگی سے ہے جو انسان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ علم اگر معتبر یعنی قابل اعتبار ہو اور اس علم سے کسی چیز کی اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو یہ علم انسان کی زندگی کے لیے مفید اور کارآمد ہے۔ لیکن اگر مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم، شک اور قیاس پر مبنی ہو، تو ایسا علم، انسان کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی بجائے اسے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے علم کے ذرائع کی بڑی اہمیت ہے۔

انسان نے آج تک جو علم حاصل کیا ہے مندرجہ ذیل پانچ ذریعوں سے حاصل کیا ہے۔

i- حواس خمسہ (Five Senses)　　ii- عقل (Intellect)

iii- وجدان (Intuition)　　iv- اسناد و روایات (Authority & Traditions)

v- وحی (Revelation)

i- حواس خمسہ (Five Senses)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے حصول کے لیے پانچ حواس عطا فرمائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ دیکھنے کی حس (Sense of sight)　　ب۔ سننے کی حس (Sense of hearing)

ج۔ سونگھنے کی حس (Sense of smelling)　　د۔ چھونے کی حس (Sense of touch)

ر۔ چکھنے کی حس (Sense of taste)

انسان ان پانچ حواس کی مدد سے مادی اشیا کا علم حاصل کرتا رہا ہے اور ہمارے ذخیرۂ علم کا بہت بڑا حصہ ان پانچ قوتوں کی مدد سے حاصل شدہ علم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم، مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ مشاہدہ اور تجربہ ان پانچ حواس سے کیا جا سکتا ہے۔

اسلام بھی اس ذریعہ علم سے فائدہ اٹھانے پر زور دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جا بجا اس زمین پر چل پھر کر دیکھنے اور کائنات کا مشاہدہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ البتہ اسلام یہ بات بھی واضح کرتا ہے کہ حواس کی مدد سے صرف مادی کائنات (Material Universe) کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ مادی کائنات کے علاوہ اور اس سے پرے کی دنیا کے متعلق حواس کی مدد سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر حاصل شدہ علم یقینی نہیں ہے۔ نئے حالات اور آلات کی مدد سے تجرباتی و مشاہداتی علم میں تبدیلی آتی رہی ہے اور آئندہ بھی اس کا امکان رہتا ہے۔ تاہم اس ذریعہ علم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ii- عقل (Intellect)

علم کے حصول کا دوسرا ذریعہ انسانی عقل ہے۔ انسان حواسِ خمسہ کی مدد سے جو معلومات حاصل کرتا ہے عقل کے ذریعے ان معلومات کا تجزیہ اور تعبیر کی جاتی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ سے حاصل شدہ معلومات کو ترتیب دے کر ان پر غور و فکر کرنا اور ان سے نتائج اخذ کرنا عقل کا کام ہے۔

عقل نہ ہو تو یہ معلومات بے کار ہیں انسانی تاریخ میں عقلی علوم کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ البتہ عقلی علوم کے نتائج بھی قطعی اور یقینی نہیں ہوتے بلکہ امکانی ہوتے ہیں۔ یہ نتائج درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کو مہیا کی جانے والی معلومات حواس خمسہ کی مدد سے حاصل ہوتی ہیں جو ناقص بھی ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ خود عقل بھی ٹھوکر کھا سکتی ہے اور فراہم کردہ معلومات سے غلط نتیجہ اخذ کر سکتی ہے۔ اس طرح بہت سی ایسی موجودات ہیں جو عقل کے دائرے میں نہیں آسکتیں مثلاً خدا، فرشتے، جنت اور دوزخ وغیرہ محض عقل سے سمجھنا ممکن نہیں۔ تاہم عقل کی نارسائی کے باوجود، یہ ایک مفید ذریعہ علم ہے۔ اگر تعصبات سے بالاتر ہو کر درست حقائق پر غور و فکر کے لیے عقل کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے تو صحیح نتائج تک پہنچنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو مفید قرار دیا ہے اور قرآن حکیم میں بار بار کائنات اور مظاہر کائنات کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

iii- وجدان (Intuition)

اگر کسی مسئلے کا حل بغیر کسی غور و فکر، سوچ بچار اور کوشش کے، اچانک انسان کے ذہن میں آجائے تو اس طرح ہونے والے علم کا ذریعہ وجدان کہلاتا ہے۔ بعض اوقات انسان کئی سالوں تک مسئلے کا حل معلوم نہیں کر پاتا مگر اچانک اس کے دل میں ایک روشنی (Flash of Light) نمودار ہوتی ہے اور اسے مسئلہ کا حل معلوم ہو جاتا ہے۔ وجدان، انسانی دل پر القا ہونے والا علم ہے۔ سائنس کی بے شمار ایجادات اور نظریات اسی ذریعہ علم کا کرشمہ ہیں۔ اس کی نمایاں مثالیں اُصولِ ارشمیدس، نیوٹن کا کششِ ثقل کا قانون اور آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی دریافت ہے۔

اگرچہ یہ ذریعہ علم مفید ہے اور انسانی تاریخ میں علم کے حصول میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ مگر اس ذریعہ علم کے نتیجے میں امکانی علم حاصل ہوتا ہے جو صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ اس لیے کہ وجدان کا فہم اور تعبیر بھی ایک مسئلہ ہے۔ وجدانی علم صرف اس صورت میں قابل قبول ہوسکتا ہے جب تجربہ و مشاہدہ، عقل سلیم اور وحی الٰہی سے اس کی تصدیق ہو جائے وجدانی علم ایک وہم ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے اور درست بھی۔

iv- اسناد و روایات (Authority & Traditions)

علم کے حصول کا ایک ذریعہ آباؤ اجداد کی طرف سے سینہ بہ سینہ یا کتب کی شکل میں وہ روایات ہیں جو ایک نسل سے دوسری نسل

تک منتقل ہوتی رہی ہیں۔اسی طرح مختلف شعبہ ہائے علوم کے ماہرین کی آراء بطور سند پیش کی جاتی ہیں اورعوام ان روایات واسناد کو علم کے ذریعے کے طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ان روایات میں سے بعض عقل سلیم کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں اور بعض عجیب وغریب، بہر حال اسنادی علم میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو بالکل رد تو نہیں کیا لیکن محض آباؤ واجداد کی روایات کی سند پر کسی تصور یا عمل کی صحت پر اصرار کو درست قرار نہیں دیا۔ایسی روایات اگر عقل سلیم اور ہدایتِ الٰہی کے معیار پر پوری اتریں تو انہیں قبول کیا جائے گا ورنہ انھیں مسترد کر دیا جائے گا۔

v- وحی (Revelation)

علم کے حصول کا سب سے معتبر اور یقینی ذریعہ وحی ہے۔اللہ تعالیٰ حقیقی علم کا سرچشمہ ہے۔اس کا علم ہر کسی قسم کی خطا سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی علم میں سے ایسا علم جو انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لیے درکار ہے، اپنے بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو خصوصی ذریعے سے پہنچاتا ہے۔یہ علم آسمانی کتابوں کی صورت میں یا صحیفوں کی شکل میں موجود رہا ہے۔تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں۔البتہ ان میں صرف ایک کتاب محفوظ ہے جو مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔باقی تمام کتابیں اپنے اپنے زمانے میں تو محفوظ رہی ہیں مگر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد ان کی ضرورت نہیں رہی۔قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

”بے شک اس ذکر (قرآن مجید) کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔“ (الحجر :9)

قرآن مجید میں انسان کی ہدایت کے لیے تمام اصول، حقائق اور احکام موجود ہیں اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے یہی ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے۔اس کی تعلیمات میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔”یہی وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔“ (البقرہ:2)

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم کے مختلف ذرائع ہیں اور ان تمام ذرائع سے کسی نہ کسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے صرف ایک ذریعۂ علم یعنی وحی کی صحت قطعی اور حتمی ہے۔باقی تمام ذرائع سے حاصل ہونے والا علم امکانی ہے، وہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔حتمیت اور قطعیت صرف وحی کو حاصل ہے۔

البتہ اسلام، دیگر ذرائع علم میں سے کسی بھی ذریعہ علم کو مکمل طور پر رد نہیں کرتا بلکہ وہ انھیں وحی کے تابع قرار دیتا ہے۔ان تمام ذرائع سے حاصل کردہ علم کو وحی پر جانچا اور پرکھا جائے گا۔اگر وہ وحی کے مطابق ہوگا تو اسے قبول کیا جائے گا اور قابل اعتبار ہوگا لیکن اگر وحی کے مخالف یا متصادم ہوگا تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔

2- تعلیم کی فلسفیانہ بنیادیں

فلسفہ تعلیم کی انتہائی اہم بنیاد ہے۔فلسفہ کے بغیر انسانی زندگی کا سمجھنا ناممکن ہے۔فلسفہ، زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق تصورات اور فکری بنیادیں مہیا کرتا ہے۔یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تعلیم معاشرے کے فلسفۂ حیات کے تابع ہوتی ہے۔کسی بھی نظام تعلیم کی فکری بنیاد فلسفہ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر نظام تعلیم کے تمام عناصر مثلاً مقاصد تعلیم، تدوین نصاب، حکمت تدریس، انتظام وانصرام تعلیم استوار ہوتے ہیں۔خاص طور پر مقاصد تعلیم کا تعین، کسی قوم کے نظریۂ حیات سے ہوتا ہے جب کہ نظریۂ حیات،

ان فلسفیانہ افکار سے ماخوذ ہوتا ہے جو کسی قوم نے حقیقت اور سچائی کی حیثیت سے درست تسلیم کر رکھے ہوں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کی بنیادوں میں فلسفہ کی تعلیمی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے لیے فلسفہ کا مفہوم اور اس کا دائرہ کار بیان کرنا ضروری ہے۔

فلسفہ کا مفہوم

فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں۔ حبِ دانش (Love for Wisdom)۔

حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے، فلسفہ کہلاتی ہے۔

انسان فطرتاً تجسس پسند ہے کائنات کی تخلیق اور اس میں پائی جانے والی اشیاء کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے انسان، غور و فکر اور عقلی استدلال سے کام لیتا ہے گویا انسانی عقل کی بنیاد پر، غور و فکر اور منطقی استدلال کے ذریعے حقیقت اور سچائی کی تلاش کے لیے انتہائی کوشش کا نام فلسفہ ہے۔

فلسفیانہ حقائق کی تلاش کے لیے فلسفیانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے، جو عام طریق تحقیق سے مختلف ہے۔ فلسفیانہ طریق کار میں دو باتیں ذہن نشین رہنی چاہییں۔

اول یہ کہ فلسفہ کا طریق مطالعہ، انسانی عقلی غور و فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ فلسفہ کا موضوع مطالعہ صرف ظاہری حقائق یا جزوی نہیں ہوتا بلکہ یہ مطالعہ انتہائی، کلی اور حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) تک پہنچنا ہوتا ہے۔

حقیقت اصلیہ تک رسائی کی کوشش، فلسفہ کا اصل موضوع ہے۔ حقیقت اصلیہ سے مراد ایسا وجود ہے جو بذاتِ خود قائم ہو۔ وہ اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو اور باقی تمام موجودات اپنے وجود (Existance) کے لیے اس کے محتاج ہوں۔

مثال کے طور پر اسلامی نقطۂ نظر سے حقیقت اصلیہ، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ خود کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن باقی تمام مخلوقات، انسان اور پوری کائنات اپنے وجود کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔ وہ جب تک چاہے گا، انسان اور کائنات کا وجود رہے گا اور جب اللہ کا حکم ہوگا تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے۔

اس مثال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم حقیقت اصلیہ کہیں گے جب کہ انسان اور کائنات حقیقت ظاہریہ ہیں یعنی ان کے وجود سے انکار تو نہیں لیکن ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ اس طرح فلسفہ حقیقت ظاہریہ اور حقیقت اصلیہ تک پہنچنے اور اشیاء کی حقیقت کا فہم حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ اس کوشش میں عقلی استدلال اور تفکر و تدبر ضروری ہے۔

فلسفہ کا دائرہ عمل

فلسفہ کے مفہوم سے اس کے دائرہ عمل کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں سائنسی ایجادات نے انسانی زندگی کا چال چلن بدل کر رکھ دیا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ سائنسی علوم کا دائرہ کار طبعی اور مادی دنیا تک محدود ہے۔ سائنس حقیقت اصلیہ کے ادراک سے عاجز ہے۔ فلسفہ اور مذہب اس مادی کائنات سے آگے بڑھ کر عالم حقیقی کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ دونوں صرف کائنات ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کی پہچان اور معرفت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔

دوسرے تمام علوم، اشیا کی حقیقت کے مختلف اجزا کو علیحدہ علیحدہ جاننے تک محدود ہیں اور وہ اشیا کے ظاہری روپ کو سمجھتے ہیں

اوراس کے استعمال پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں جب کہ فلسفہ حقیقت کی مجموعی حیثیت کو اور اپنے اصلی روپ میں جاننا اور سمجھنا چاہتا ہے۔

فلسفہ کا یہ موضوع تصور حقیقت (Ontology) کہلاتا ہے جس میں انسان، کائنات، خالق کائنات اور ان تینوں کے باہمی تعلق کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ ان تینوں تصورات کو صحیح طور پر جاننے اور سمجھنے سے انسانی زندگی کا تصور واضح ہوتا ہے۔

فلسفے کا دوسرا موضوع تصور اقدار (Axiology) ہے، یہ انسانی زندگی کا ایک ایسا میدان ہے جسے ہم قدریات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لیے اور خود انسان کی تسکین کے لیے انسانی اخلاقیات و اقدار سے زندگی کی مقصدیت واضح ہوتی ہے۔ اقدار حیات کے تعین میں فلسفہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے لیے خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ کیا چیز جائز ہے؟ اور کیا ناجائز؟ اچھائی کیا ہے؟ اور برائی کیا؟

ان سوالات کا دائرہ، اشیا کے استعمال سے لے کر انسانی رویوں، جذبات اور روابط تک وسیع ہے اور اپنی روزمرہ زندگی میں ہر انسان کو مسلسل، ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب فلسفہ مہیا کرتا ہے گویا معیارِ خیر و شر اس موضوع کے تحت زیرِ بحث آتا ہے۔

فلسفہ کا تیسرا موضوع تصور علم (Epistemology) ہے۔ اسے علمیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ معاملہ حقیقت اصلیہ کے ادراک کا ہو یا وجودیات کا، قدریات کا ہو یا اخلاقیات کا، فوری طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی وجود کے برحق ہونے یا کسی قدر کے مطلوب یا غیر مطلوب ہونے کا ہمارے پاس آخر معیار کیا ہے؟ اس علمی معیار کا تعلق فلسفہ کے مطالعہ سے ہے۔ فلسفہ کا یہ پہلو علم کی حقیقت واضح کرتا ہے۔ فلسفہ ہی ہمیں بتاتا ہے کہ علم کا سرچشمہ کیا ہے؟ علم کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ اور ان مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم کس حد تک قابلِ اعتماد ہے؟

یہ فلسفہ کی اہم ترین بنیاد ہے۔ ہر قوم اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اپنا نظریہ حیات اپناتی ہے اور معاشرے میں اس نظریہ حیات کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل عمل میں لاتی ہے۔

فلسفہ اور مذہب کا تعلق

فلسفہ اور مذہب کے موضوعات ایک ہیں۔ فلسفہ بھی حقیقت کی تلاش اور صداقت تک رسائی کی کوشش کرتا ہے جب کہ مذہب بھی انہی موضوعات کو زیرِ بحث لا کر انسانی زندگی کے لیے نظریہ اور لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔ فلسفہ اور مذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فلسفہ محض عقل اور عقلی استدلال پر استوار ہوتا ہے۔ انسانی عقل لاکھ اعلیٰ سہی، بہر حال اس میں غلطی کا امکان اور شائبہ موجود ہے۔ اسی طرح عقلی استدلال سے حقیقت اور صداقت تک درست رسائی ضروری نہیں۔ چنانچہ شک فلسفہ کو امکان کی حد تک محدود کرتا ہے۔ جب کہ مذہب کی بنیاد، انسانی عقل کے ساتھ ساتھ الہامی تعلیمات پر ہوتی ہے اس میں علم کا سرچشمہ بالاتر ذات (اللہ تعالیٰ) قرار پاتی ہے اور الہام و وحی اس کا معتبر ذریعہ علم ہوتے ہیں جو ہر قسم کے شک سے پاک ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مذہب محض اندھی تقلید کا نام نہیں۔ الہامی تعلیمات ان حقائق کو آشکار کرتی ہیں جن تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہو پاتی، چنانچہ انبیا کو خصوصی ذریعہ علم (وحی) عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے منصب پر انھیں فائز کیا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انسانوں کے لیے نظریہ حیات، بنیادی افکار، اخلاقی تعلیمات بلکہ پوری زندگی بسر کرنے کے لیے ضابطۂ حیات عطا کیا ہے اور انسانی تاریخ میں ایک تسلسل کے ساتھ انبیاؑ اور رسولوں کا سلسلہ جاری رہا ہے، اس سلسلۂ

نبوّت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کی تعلیمات قیامت تک برحق اور محفوظ ہیں اور بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ فلسفیانہ طریق کار مذہبی افکار، عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے فہم وادراک میں مفید ثابت ہوسکتا ہے اور ہر زمانے میں منطق واستدلال کے ذریعے ان حقائق کو اجاگر کر کے اسلام کی حقانیت واضح کی جاتی رہی ہے، اس طرح فلسفہ، مذہب کے فہم و ادراک میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

فلسفہ اور رسم ورواج (Philosophy, Customs and Norms)

انسانی زندگی میں رسوم وروایات کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں روابط، جذبات کی تسکین، معاشرتی رویے اور انسانی تعلقات بڑے اہم ہیں۔ ان ضروریات کی تکمیل میں فلسفہ اور فلسفیانہ طریق کار اہم بنیادی حیثیت سے معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اخلاقیات، روایات، تہذیب وتمدن کے ارتقا اور تخیل میں فلسفیانہ افکار ہی کو بنیاد بنایا جائے گا جو آگے چل کر طالب علم کی زندگی میں استواری اور تہذیب پیدا کر کے ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنائیں گے۔

فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق

فلسفہ اور تعلیم کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے انسانی جسم میں روح وجان۔ عملِ تعلیم کی مثال انسانی جسم کی سی ہے جب کہ فلسفہ کی مثال روح کی سی ہے۔ مسلسل رواں دواں ہوتا ہے جیسے جسم میں روح۔

اگر ہم فلسفہ اور تعلیم کی تعریفوں پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلسفہ کی مدد سے جن حقائق اور صداقتوں تک رسائی ہوتی ہے، انہی حقیقتوں اور سچائیوں کو عمل تعلیم اور نظامِ تعلیم کے مختلف عناصر میں ڈھال کر طالب علموں کو ان حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ حقائق سے آگہی وشعور کا عمل ہی تعلیم ہے اور فلسفہ جن معیارات کا تعین کر کے انھیں قدریات اور اخلاقیات کا نام دیتا ہے، عملِ تعلیم کے ذریعے انہی اقدار واخلاقیات کو طالب علم کی سیرت سازی اور تشکیل کردار کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تعلیم، فرد کی تکمیل ذات، معاشرتی مطابقت اور ثقافتی ورثے کی نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔ اس عمل کے لیے بنیادی حقائق اور صداقتیں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔

تعلیم کا نظریاتی پہلو (Theoretical aspect) فلسفہ ہے اور عملی پہلو (Practical aspect) تعلیم ہے۔ یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اگر فلسفہ نہ ہو تو عملِ تعلیم بے کار ہے اور تعلیم کے بغیر فلسفہ محض وہم ہے۔

اس لیے تعلیم اور نظام تعلیم کے لیے فلسفہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور نظام تعلیم کی درستگی اور صحیح بنیادوں پر تشکیل کے لیے فلسفہ کا درست ہونا ضروری ہے۔ فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فلسفے کا عملی پہلو تعلیم ہے اور تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ہی شے کے دو رخ ہیں۔ تعلیم فلسفے کی تجربہ گاہ اور فلسفیانہ تصورات کی عملی تشکیل ہے۔

فلسفہ ایک ایسا محور ہے جس کے گرد پورا نظام تعلیم گردش کرتا ہے۔ فلسفہ کے ذریعے ہی نظام تعلیم کی اصلاح ممکن ہے۔ گویا فلسفہ اور تعلیم ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہیں۔ تعلیم کے بغیر فلسفہ باقی نہیں رہ سکتا اور فلسفے کے بغیر تعلیم ذہنی انتشار کے سوا کچھ نہیں۔

عملِ تعلیم میں فلسفہ کا کردار (Contribution of philosophy towards Education)

عملِ تعلیم میں فلسفہ قدم قدم پر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کو آپس میں مربوط، ہم آہنگ اور ہم رنگ بنانے میں فلسفہ انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عملِ تعلیم میں فلسفیانہ طریق کار کا استعمال جو تعلیم کو سمجھنے اور اس کے مسائل کے حل کی تعبیر میں معاونت کرے فلسفۂ تعلیم کہلاتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کا تعلیمی عمل میں کردار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

1- جس طرح فلسفہ، انسانی زندگی کو مجموعی تناظر میں اور کلی حیثیت سے دیکھتا ہے اسی طرح فلسفۂ تعلیم، عملِ تعلیم پر بحیثیت مجموعی بحث کرتا ہے اور کلی حیثیت سے اس کے تعین اور استوار کرنے میں مدد دیتا ہے۔

2- نظامِ تعلیم کا اہم ترین عنصر مقاصدِ تعلیم ہے۔ مقاصدِ تعلیم کا تعین اس فلسفۂ حیات اور نظریۂ حیات کی روشنی میں کیا جاتا ہے جسے معاشرہ بحیثیت قوم قبول کرتا ہے چنانچہ ان مقاصدِ تعلیم کا تعین فلسفۂ تعلیم کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

3- فلسفۂ تعلیم ، پورے نظامِ تعلیم میں بحیثیت روح کے جاری وساری رہتا ہے۔

4- فلسفۂ تعلیم تمام عناصرِ تعلیم کو آپس میں مربوط، منظم اور مترتب بنانے میں، ایک محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کے بغیر یہ عناصر یکجا اور مربوط نہیں رہ سکتے۔

5- تعلیم کا ایک اہم عنصر نصابِ تعلیم ہے۔ تعلیمی نصابات اور درسی کتب کی تدوین وتشکیل، مقاصدِ تعلیم پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرح فلسفہ نصاب سازی کے عمل میں اہم حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ موادِ نصاب (Content) میں بھی فلسفہ کی واضح چھاپ نظر آئے گی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی فلسفہ حواسِ خمسہ ہی کو علم کا معتبر ذریعہ سمجھتا ہے تو اس فلسفے کے تحت بننے والے نصاب میں حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل شدہ علم اور ان سے متعلقہ مضامین کو مرکزی حیثیت ملے گی لیکن اس کے برعکس وحی الٰہی کو علم کا معتبر ذریعہ تسلیم کیا جائے تو ایسے نصابات اور موادِ نصاب میں قرآن وحدیث اور اس کے معاون علوم اور مضامین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔

6- حکمتِ تدریس بھی نظامِ تعلیم میں اہم عنصر ہے۔ اس سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، عملی تدابیر اور وسائل ہیں جن کی مدد سے موادِ نصاب طلبہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ حکمتِ تدریس میں بھی فلسفے کا کردار بڑا اہم ہے۔ حکمتِ تدریس، موادِ نصاب کے مطابق ہوتی ہے اور اس میں فلسفیانہ نقطۂ نظر پیشِ نظر رکھ کر تدریس کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ کیا طالب علم کے سامنے زیرِ بحث موضوع کے دونوں پہلو پیش کر دینا کافی ہے؟ اور اس کے قبول یا رد کرنے کا معاملہ طالب علم پر چھوڑ دیا جائے یا اس موضوع کا خاص پہلو طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔ اس طرح فلسفیانہ اندازِ فکر کے نتیجے میں تدریسی حکمتِ عملی میں فرق واقع ہوجاتا ہے مثلاً ترقی پسند فلسفہ میں علمی آزادی کو تدریسی حکمتِ عملی کے طور پر اپنایا جائے گا جب کہ روایت پسند فلسفہ میں ذہن سازی کو ترجیح دی جائے گی۔

7- تعلیمی عمل میں تنقید، تبصرہ اور تعبیر کا معاملہ بھی فلسفہ کے تحت ہوگا، جیسا فلسفۂ تعلیم ہوگا اسی انداز میں حقائق اور تصورات کی تعبیر و تشریح کی جائے گی۔

8- نظامِ تعلیم کی تشکیل وتنقید کے ساتھ ساتھ، اس میں اصلاح اور ارتقاء کے لیے بھی فلسفۂ حیات اور فلسفۂ تعلیم رہنما ثابت ہوتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی اصلاح، واضح مقاصد اور ضروریات کے تحت ہونی چاہیے۔ ان مقاصد اور ضروریات کا تعین، فلسفیانہ افکار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

9- نظامِ تعلیم میں امتحانات و جائزہ کا عمل، مقاصدِ تعلیم کے حصول کی روشنی میں سر انجام پاتا ہے۔ اس جائزہ کے اصول اور بنیادی نکات، فلسفۂ تعلیم کے حوالے سے طے کیے جاتے ہیں کہ کوئی نظامِ تعلیم مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے یا ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا نکات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ فلسفۂ تعلیم اور فلسفۂ حیات کا تعلیمی عمل میں کس حد تک عمل دخل ہے۔

3- تعلیم کی نفسیاتی بنیادیں

نفسیات علم کا ایسا شعبہ ہے جس میں انسانی فطرت، رجحانات، ذہن اور اس کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت پیچیدہ (Complex) ہے اور ہر انسان اپنے طبائع، رجحانات، دلچسپیوں، صلاحیتوں اور ضروریات کے لحاظ سے دوسرے انسانوں سے کسی نہ کسی لحاظ سے مختلف ہے۔ انسانی فطرت، ذہانت اور رجحانات و جذبات کا مطالعہ بہت مشکل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

چنانچہ تعلیمی عمل میں جہاں قدم قدم پر مختلف شخصیتوں اور طبائع سے واسطہ پڑتا ہے، علمِ نفسیات کی مدد اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

تعلیمی نفسیات

نفسیات کی وہ شاخ جو عمومی نفسیات سے اخذ شدہ اصول و ضوابط کا عمل تعلیم میں اطلاق کرتی ہے، تعلیمی نفسیات کہلاتی ہے۔

تعلیمی عمل کی کامیابی میں تعلیمی نفسیات کا کردار بڑا اہم ہے۔ تعلیمی عمل کے دوران، اساتذہ کے سامنے جو مسائل پیش آسکتے ہیں، ان سب کے حل کے لیے علمِ نفسیات مناسب اور مؤثر رہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ تعلیم افراد معاشرہ کی متوازن نشوونما اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔ اس عمل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تعلیم افراد معاشرہ کی صلاحیتوں، نفسیاتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو۔ نفسیات کی مدد سے تعلیمی عمل کی ماہیت کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح متعلم کی فطرت اور عمل تعلیم کی ماہیت کے مطالعہ سے تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم کی تنظیم و تشکیل کے لیے نفسیات کا علم ایک اہم اساس کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

علمِ نفسیات اور تعلیم میں تعلق

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک منفرد شخصیت بنا کر دنیا میں پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی وراثتی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اپنے گھر، ماحول اور معاشرہ سے متاثر ہوتا ہے۔ وراثتی خصوصیات اور ماحول کے زیرِ اثر بچے میں ایک خاص قسم کا کردار پیدا ہوتا ہے جو اس کے ظاہری اعمال، باطنی کیفیات اور ماحول کے اثرات کے ردِ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

مدرسہ میں افراد، مختلف گھرانوں اور مختلف ماحول سے تعلق کی بنا پر مختلف شخصیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی سطح، ذاتی رویہ و کردار، رجحانات، جذباتی اور معاشرتی مسائل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مدرسہ کے نظم و ضبط، تدریسی مشکلات، تنظیم جماعت، انفرادی اختلافات کے مسائل اور ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں تعلیمی نفسیات بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

تعلیم کا ایک مقصد فرد کو آئندہ زندگی میں کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔ نفسیات کے ذریعے ہمیں فرد کی ذہنی صلاحیتوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس طرح ہم فرد کو اس کے حالات کے مطابق تعلیم دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ علمِ نفسیات کی مدد سے استاد کو اس بات کا

علم ہو جاتا ہے کہ عمل تدریس میں کسی خاص مقصدِ تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے کن نفسیاتی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ایک کمرۂ جماعت میں منفرد شخصیتوں پر مشتمل گروہ ہوتا ہے، اسی طرح مختلف شخصیتوں کے حامل افراد کو ایک ہی کمرۂ جماعت میں مؤثر تعلیم کیسے دی جائے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے علمِ نفسیات ہماری مدد کرتا ہے۔

تعلیم کی نفسیاتی اساس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لہٰذا انسان کے لیے مرغوب اور پسندیدہ علم وہی ہے جو فطرت کے نظام سے متعلق ہو۔ تعلیمی نفسیات ان دونوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

2- تعلیمی نفسیات کا اصل نصب العین، انسان کی ایسی ہمہ پہلو نشوونما ہے جس میں جسمانی، ذہنی، جذباتی صلاحیتیں شامل ہیں۔ تعلیمی نفسیات کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انسان کی اس انداز سے تربیت کرے کہ انسان کو بالآخر رضائے الٰہی کے تابع کر دے۔

3- تعلیمی نفسیات کے حوالہ سے ایک استاد کو بچے کی فطری جبلتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ فطرت انسانی کا جبلی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنا نصب العین قرار دے اور صفات الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر کے قربتِ الٰہی حاصل کرے۔ نفسیات ان فطری اور جبلی تقاضوں کو سمجھنے میں استاد کی مدد کرتی ہے۔

4- ہر انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے، اس لیے عملِ تعلیم اور ہم نصابی سرگرمیوں میں اس پر کسی قسم کی بے جا پابندی عائد کرنا درست نہیں۔ علم نفسیات بچوں کے لیے موزوں ہم نصابی سرگرمیوں کے تعین میں مدد کرتا ہے۔

5- افراد میں اور خصوصاً زیرِ تعلیم بچوں کی استعداد اور میلان طبع کے اختلافات کو تسلیم کر کے نصاب تعلیم اور طریق تدریس میں ضروری علمی مواد ذہنی اور لسانی صلاحیتوں کے مطابق شامل کرنے میں علمِ نفسیات رہنمائی کرتا ہے۔

6- انسان، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ انسانی زندگی کا نصب العین، معرفتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی ہے۔ جب تک انسانی نفسیات کا مطالبہ ہدایت الٰہی کی روشنی میں نہیں کیا جائے گا، حقیقت اصلیہ تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

7- عملِ تعلیم کا ایک اہم جزو، تعلم یا آموزش ہے، تمام تعلیمی سرگرمیوں میں بچے کی نشوونما اور عملِ تعلیم کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ عملِ تعلیم کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

الف۔ بچے کی نشوونما کے مراحل

ب۔ عمر کے مختلف مدارج میں بچے کے رویے

ج۔ بچوں کی دلچسپیاں، رجحانات اور ضروریات

اگر نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم میں بچوں کی مختلف جائز انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم غیر متوازن اور ناکام ثابت ہوگا۔

8- علمِ نفسیات ہر انسان کے اندر موجود نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کے تقاضوں کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے عمل میں، نفسِ امارہ یعنی نفسانی اغراض اور خواہشات کی پرستش سے بچنے اور نفسِ لوامہ کے ذریعے محاسبہ کا عمل جاری رہتا ہے اور بالآخر انسان نفسِ مطمئنہ کے ذریعے احسان اور تقویٰ کے مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔

تعلیم میں نفسیات کا کردار (Contribution of Psychology towards Education)

نفسیات کا موضوع، بچوں کے ذہن، کردار، رویہ جات اور رجحانات کا مطالعہ ہے۔ اس کی مدد سے بچوں کی خصوصیات اور دلچسپیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تدریسی عمل کو موثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مندرجہ ذیل نکات سے تعلیمی نفسیات کا کردار واضح طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:۔

1- تعلیمی نفسیات کی مدد سے بچوں کی نشو و نما کا مطالعہ، استاد کو ایسے اصولوں سے آگاہ کرتا ہے جن پر عمل کر کے تعلم کا عمل موثر اور آسان بنایا جاسکتا ہے۔

2- تعلیمی عمل کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور بچوں کی ذہنی سطح، کردار، جذبات اور رجحانات کو پیش نظر رکھ کر اس عمل کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

3۔ بچوں کے انفرادی اختلافات اور ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کر کے تدریسی عمل کو زیادہ موثر، دلچسپ، دیر پا اور بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

4- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریق تدریس کو بہتر بنا سکتا ہے۔

5- مدارس میں نظم و نسق کے مسائل، تدریسی مشکلات، جماعتی تنظیم، معاشرتی و معاشی تفاوت اور طلبہ کی معاشرتی نشو و نما کے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

6- بچے کے کردار کو سمجھنے اور مستقبل میں اس کی کامیابی کے لیے مفید پیش گوئی ہو سکتی ہے، ایسا سائنسی مطالعہ، طلبہ کے ذاتی اور گروہی مسائل کے حل میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

7- استثنائی بچوں (Special Children) کے انفرادی مسائل کا مطالعہ کر کے ان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے تا کہ ایسے بچوں کے لیے تعلیمی عمل کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

8- تعلم کو سمجھنے، اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو جاننے اور تعلم کے محرکات میں حائل رکاوٹوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

9- بچوں کی دلچسپیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے لیے مہارت اور طریقے وضع کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیمی نفسیات کی مدد سے متعلم کے لیے مطالعاتی مواد کی سائنسی بنیادوں پر انتخاب اور تیاری کے عمل کو مفید اور موثر بنایا جاسکتا ہے۔

10- تعلیمی نفسیات مجموعی طور پر عملِ تعلیم کے موثر بنانے، مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کامیابی، عملِ تعلیم کی راہ میں حائل دشواریوں پر قابو پانے نیز متوسط اور پیچھے رہ جانے والے بچوں کی علمی استعداد کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

4- تعلیم کی معاشرتی بنیادیں

معاشرہ اور تعلیم

جب انسانوں کا کوئی گروہ شعوری طور پر مشترکہ مقاصد کے تحت مل جل کر زندگی بسر کرے تو انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے، گویا افراد کے باہمی ملاپ سے تشکیل پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معاشرت پسند بنایا ہے یعنی انہیں آپس میں مل جل کر رہنے کی خواہش ودیعت کی ہے۔ اس خواہش کے نتیجے میں نسلِ انسانی کے تحفظ، بقا اور تسلسل کے لیے معاشرے کا وجود ضروری ہے۔ معاشرے

کے اجزائے ترکیبی میں، افراد کے رہن سہن، مشترکہ رسوم ورواج، مشترکہ نظریہ حیات، مشترکہ زبان، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار میں مماثلت شامل ہیں۔

بچہ جب اس دُنیا میں آتا ہے تو یہ دُنیا اس کے لیے اجنبی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ ایسی حرکات واعمال کرتا ہے جن کا وہ اپنے ماحول میں مشاہدہ کرتا ہے اس طرح وہ معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

بچے کی اوّلین درس گاہ اس کے گھر کا ماحول ہوتا ہے۔ گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ مسلسل ایک تعلیمی عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ اس طرح بچے کا معاشرتی پہلو اس کی تعلیم کے لیے اساس کا کام دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کی اولین درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور بچے کے اولین معلم اس کے والدین ہوتے ہیں۔ بچے کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں اس کے گھریلو ماحول کا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہاں بچے کی شخصیت پر گہرے اور دیرپا نقوش مرتب ہوتے ہیں۔

بچہ فطری طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ان تمام چیزوں کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جو دیگر افراد خانہ اس کے سامنے کرتے ہیں۔ افرادِ خانہ بچے کو ابتدائی باتوں کی تلقین کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو ماننا، بڑوں کی عزت کرنا، بری باتوں سے بچنا، دوسروں کو سلام کرنا، سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی بنیاد پر گھر کے ماحول سے بچہ تعلیم وتربیت پاتا ہے۔

معاشرہ اور تعلیمی ادارہ

قدیم معاشرے میں انسانی ضروریات محدود تھیں اور معاشرہ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اس لیے والدین کے لیے بچوں کو معاشرتی اقدار کی تعلیم دینا مشکل نہ تھا۔ مگر رفتہ رفتہ معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات میں تبدیلی کے نتیجے میں بچوں کو گھر میں تعلیم دینا ممکن نہ رہا۔ اس ضرورت کے پیش نظر بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے گئے جو بچوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ اس طرح رسمی تعلیمی ادارے وجود میں آئے تاکہ افراد معاشرہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کر کے اپنے لئے معاشرے میں مقام بنا سکیں اور معاشرے کی تعمیر میں بھی اپنا کردار ادا کر سکیں۔

عملِ تعلیم کسی معاشرے ہی میں ممکن ہے۔ کسی بھی معاشرے میں نظام تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار وضروریات پر ہے۔ انہی اقدار وضروریات سے نظام تعلیم کی تشکیل ہوتی ہے اور انہی سے مقاصدِ تعلیم اور نظام تعلیم کے عناصر کا تعین ہوتا ہے۔ تعلیم ہی سے کسی فرد کے معاشرتی منصب کا تعین ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے معاشرے اور تعلیم کے باہمی تعامل پر ملک کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔

تعلیم اور معاشرے کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ ان میں ہم آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی سے اچھے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عملِ تعلیم میں مسلسل اور سوچی سمجھی تبدیلیاں ضروری ہیں تاکہ تعلیم بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے اور معاشرہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنا فعال اور متحرک کردار ادا کر سکے۔ اچھی تعلیم، معاشرے کی اہم ضروریات کو فراموش نہیں کر سکتی۔ بہتر سے بہتر مستقبل تک پہنچنے کی جستجو اور جدوجہد کا یہ عمل جاری وساری رہنا چاہیے۔

معاشرے میں مدرسہ کا کردار

مدرسہ ایک معاشرتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جو طلبہ کے لیے ایسے تجربات فراہم کرتا ہے جن سے گزر کر ان کی خداداد صلاحیتیں

بیدار ہوتی ہیں۔ان میں اجتماعی زندگی بسر کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔مدرسہ میں بچے مختلف خاندانوں اور گھرانوں سے آتے ہیں۔ وہ مختلف معاشرتی ،معاشی پس منظر رکھتے ہیں۔ان کا گھریلو ماحول ،صلاحیتیں اور خیالات وتصورات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جب کہ مدرسہ میں ایک خاص قسم کا ماحول ہوتا ہے۔مدرسے کے نظم وضبط کا بچے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔وہ مدرسہ کے ماحول میں آہستہ آہستہ ڈھل کر دوسرے کے ساتھ مل کر معاشرتی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھتا ہے۔بعض اوقات شعوری طور پر اور اکثر غیر شعوری طور پر مدرسہ کے دوسروں بچوں سے متاثر ہو کر منظم معاشرتی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔یہاں بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے گھر، محلے یا معاشرے میں نہیں سیکھتا۔مدرسے کو پورے معاشرے کی تائید اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔اس لیے اس میں بچوں کی شخصیت بہتر اور کردار کی تربیت زیادہ مؤثر طریقے سے ہوتی ہے۔

معاشرہ ہی تعلیمی ادارے قائم کرتا ہے۔اس لیے معاشرہ کی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ مدرسہ نہ صرف بچوں کی ہمہ پہلو تربیت کا اہتمام کرے، بلکہ ایسے افراد تیار کرے جو معاشرے کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کر سکیں۔چنانچہ مدرسہ کی تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرد اور معاشرہ دونوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔

تعلیم کی معاشرتی اساس کے چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- تعلیمی ادارہ درحقیقت ایک معاشرتی ادارہ ہے اور نظام تعلیم براہِ راست معاشرے کے مسائل اور ضرورتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر معاشرہ کی منفرد خصوصیات ہوتی ہیں۔وہ اپنی اقدار، روایات اور تہذیب وثقافت رکھتا ہے۔زندہ قومیں اپنی اقدار وروایات کو زندہ رکھتی ہیں۔چنانچہ تعلیم کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی خصوصیات کو پیش نظر رکھے اور معاشرے کو مطلوب افراد مہیا کرے مثلاً پاکستانی معاشرے میں تعلیم کے ذریعے مسلمان پاکستانی تیار کرنا تعلیم کا اصل مقصد ہے۔

2- پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اس لیے یہاں کی تعلیم میں اس اہم نکتہ کو پیش نظر رہنا چاہیے کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔تعلیم کو اس بنیاد پر استوار کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی شخصیت تیار ہونی چاہیے جو اپنی پوری زندگی اللہ کے تصرف میں دے کر اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کی پیروی کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

3- تعلیم کے ذریعے بچوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ ساری انسانیت حضرت آدمؑ کی اولاد ہے۔انسانی وحدت اور معاشرتی مساوات ورواداری کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کی جا سکے۔تقریری وتحریری مقابلے، مقابلہ حسنِ قرأت وغیرہ ایسی سرگرمیاں ہیں جن سے یہ مقصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

4- تمام مسلمان آپس میں اخوت ووحدت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ان میں نظریاتی ہم آہنگی اور فکری وعملی مطابقت کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر اسلامی اخوت وبھائی چارے کی بنیاد پر کی جائے جو اسلام کی قومی وعملی شہادت دے۔اس مقصد کے لیے نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت بھی دینا ضروری ہے۔

5- تعلیم افرادِ معاشرہ میں اجتماعی ذمہ داری کا تصور اجاگر کرتی ہے۔نظام تعلیم پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرہ اچھائیوں کو پھیلانے اور نیکیوں کو قائم کرنے والا ہو اور برائیوں کو روکنے والا ہو۔دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا شعور تعلیم کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

6- تعلیم کے اہم معاشرتی کردار

معاشرتی بنیاد کے حوالہ سے تعلیم کے تین اہم معاشرتی کردار ہیں۔

i- تعلیم معاشرے کی دائمی قدروں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کرے۔

ii- تعلیم معاشرتی اقداراور تجربات تنقیداور تطہیر کے بعد صرف مفید تجربات، مشاہدات اور معلومات طلبہ کی نئی نسل تک منتقل کرتی ہے۔

iii- تعلیم کا یہ کام صرف اقدار کی منتقلی اور اصلاح تک محدود نہیں بلکہ وہ تخلیق سے کام لے کر معاشرتی ترقی کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے تا کہ مستقبل کے مسائل بھی حل ہو سکیں۔ تعلیم کے معاشرتی کردار کو اپنانے کے لیے مدرسہ میں مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کر کے عمل تعلیم کو مؤثر ومعاون بنایا جاسکتا ہے۔

تعلیم کی معاشی بنیادیں

کسی بھی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کا دارومدار، اس کے معاشی وسائل اور ان کے صحیح استعمال پر ہے۔ اگر قدرتی وسائل موجود ہوں لیکن معاشرہ ان وسائل سے آگاہ نہ ہو اور ان کو استعمال میں نہ لائے تو ان وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ اسی طرح وسائل کی کمی بھی معاشرے کی اقتصادی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وسائل کی کمی کو محنت اور بہتر منصوبہ بندی سے کسی حد تک پورا کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو ان وسائل کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور مناسب استعمال کی تربیت دی جائے۔

تعلیم ہی ایسا عمل ہے جس کی مدد سے طلبہ کو معاشرے کی معاشی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے افرادِ معاشرہ کی تعلیم خاص طور پر سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم وتربیت کے ذریعے معاشی مسئلے کا حل پیش کر کے دوسروں کے لیے نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی سے معاشرہ انفرادی، اجتماعی اور اقتصادی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

تعلیم اور معاشیات کا باہمی تعلق

تعلیمی ادارے، افرادِ معاشرہ کو مختلف پیشوں کے لیے زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اس کے اثرات نہ صرف معاشرے کی سماجی، سیاسی اور گھریلو زندگی پر پڑتے ہیں بلکہ ملک میں معاشی خوش حالی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

تعلیم کے ذریعے معاشرے کی افرادی قوت کو معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور معاشی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اگر تعلیم، افرادِ معاشرہ میں ایسی خوبیاں اور اوصاف پیدا کرے جو ایک جدید اور ترقی یافتہ معاشرہ کے لیے ضروری ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک معاشی واقتصادی لحاظ سے خوشحال نہ ہو مثلاً تعلیم کے ذریعے طلبہ میں تحقیق، تجربہ، ہنرمندی، احساس ذمہ داری اور کام کرنے کی لگن پیدا کر دی جائے تو معاشرہ اپنی تکمیل کی راہیں خود تلاش کرلے گا۔

ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں تعلیم وتربیت کا ایک ایسا نظام ہو جو معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی کے لیے موزوں افرادی قوت مہیا کرنے کا اہل ہو۔ گویا ملک کے نظام تعلیم میں معاشی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جانی چاہئیں:۔

1- نظام تعلیم طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کرے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکیں۔

2- طلبہ کی صحیح سمت میں رہنمائی کرے تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق مناسب پیشوں کا انتخاب کرسکیں۔

3- صنعتی، تجارتی اور زرعی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کرے

4- فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے حصول کے لیے ذرائع فراہم کرے۔

5- سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کرے۔

6- معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں مددگار ثابت ہو۔

7- ابتدائی تعلیم پر خصوصی توجہ کے نتیجے میں طلبہ کی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط اور پائیدار بنائے۔

8- نصاب تعلیم میں بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی اور ترمیم کی گنجائش رکھے۔

9- تعلیمی ادارے میں جدید علوم پر تحقیق کے مواقع فراہم کرے۔

10- مجموعی طور پر ایسی تعلیمی حکمتِ عملی وضع کرے انھیں جدید خطوط پر اس طرح استوار کرے جو معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی ترقی کی رفتار کو تیز کرے۔

تعلیم کی معاشی بنیادوں کے لیے مندرجہ ذیل نکات بہت اہم ہیں:۔

1- تعلیم کی معاشی اساس میں طلب حلال اور اجتناب حرام کا خاص خیال رکھا جائے۔

2- کسب معاش کے ذرائع میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حلال اور جائز روزی کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

3- انسانوں اور افراد معاشرہ کی جائز معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاشی وسائل کی تلاش اور فراہمی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

4- کسب حلال کے لیے مختلف پیشوں کے لیے ماہرین کی تیاری کے لیے پیشہ ورانہ پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ تعلیم برائے تعلیم کے ناقص تصور کی بجائے، تعلیم معاشرے کے ہنر مند افراد، کارکن اور لیڈر تیار کرے جو تمام شعبۂ ہائے حیات میں اسلامی اقدار اور اصولوں کی روشنی میں وسائل رزق تلاش کر سکیں اور معاشرے کی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

5- تسخیر کائنات کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر کائنات کے اندر پوشیدہ خزانوں کا کھوج لگایا جائے اور وسائل رزق کی تلاش کے لیے مادی اور معدنی وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم میں تحقیق کو نمایاں حیثیت دی جائے۔

6- تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ میں محنت میں عظمت کے اصول کو اجاگر کیا جائے۔

7- معاشی ترقی کی راہ میں بدعنوانی، کرپشن اور ہر قسم کے استحصال اور ناجائز ہتھکنڈوں کے ذریعے دولت کے حصول کی حوصلہ شکنی کی جائے اور تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کو اس سے آگہی اور شعور پیدا کیا جائے۔

8 معاشرے میں پس ماندہ اور محروم طبقات کو معاشی لحاظ سے اوپر اٹھانے کے لیے اسلامی اخوت اور اسلام کے معاشی تصورات کو افراد معاشرہ کے ذہنوں میں اجاگر کرنے کے لیے تعلیم کو ذریعہ بنایا جائے۔

مندرجہ بالا باتوں میں پیشہ ورانہ مہارتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کا جذبہ پیدا کرنے اور اخروی زندگی کی تیاری کا اہم مقصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے تا کہ ایک متوازن، عادلانہ، منصفانہ اجتماعی فلاحی معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔

فوائد تعلیم

تعلیم انسان کی پوری شخصیت اور زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے معاشرہ بھی براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ جس سے معاشرہ مستفید ہوتا ہے تعلیم کا دوسرا پہلو، حاصل کردہ تعلیم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے سے ہے جس سے طالب علم کی ذات، خاندان اور ملک کی معاشی خوشحالی اور قومی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کے فوائد کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1- سماجی فوائد 2- معاشی فوائد

1- تعلیم کے سماجی فوائد

تعلیم کو معاشی سرمایہ کاری قرار دینے سے عام طور پر تعلیمی فوائد کا ایک پہلو نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور وہ تعلیم کا سماجی اور تہذیبی پہلو ہے۔

تعلیم کا معاشرے کی نشوونما، صحیح خطوط پر رہنمائی اور انسانی شخصیت کی تکمیل میں اہم کردار ہے۔ تعلیم کے سماجی فوائد درج ذیل ہیں۔

i- علمی فوائد

تعلیم علوم وفنون کی ترقی اور اشاعت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس وقت دنیا میں سائنسی، صنعتی، ٹیکنالوجی، فنون وادب اور عمرانی علوم کا بیش بہا سرمایہ، تعلیم ہی کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔ اس میں روز افزوں ترقی اور اضافہ بھی تعلیم کی بدولت ہے۔ یہ تمام علمی سرمایہ بنی نوع انسان کے لیے ایک قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر تعلیم کا عمل سست یا ماند پڑ جائے تو یہ تمام علمی سرمایہ ایک دفینے کی حیثیت اختیار کرے گا اور دنیا میں علم کے نور کی بجائے جہالت کی تاریکی چھا جائیگی۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دنیا سے علم کے اٹھانے کے حوالہ سے ہے۔ "اس طرح دنیا میں جہلا رہ جائیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" اس سے اندازہ کرنا آسان ہے کہ تعلیم کا اصل فائدہ علمی اور تہذیبی ہے۔

ii- اخلاقی فوائد

انسانی اخلاقیات کے لیے علم واضح بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اخلاق ایک قیمتی زیور ہے اور یہ تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق ہی سے انسان دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم تو ہے ہی حسنِ کمال اور اخلاق عالیہ کی تربیت کا عمل۔ قرآن مجید میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت میں تزکیہ نفس اور اخلاقی پاکیزگی کا ذکر فخریہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے"۔ تعلیم کے ذریعے اخلاقی تربیت ملتی ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے۔ انسانی اخلاقیات کے بغیر، معاشرہ ایک مادی اور حیوانی گروہ کی شکل اختیار کر لے گا۔

تعلیم کا بڑا کمال یہ ہے کہ یہ انسان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے سنوارتی ہے۔ انسانوں کو اپنے حقوق وفرائض کا شعور دیتی ہے۔ دوسروں کے لیے اخلاص اور ایثار کے جذبے سے سرشار کرتی ہے۔ چنانچہ تعلیم کے نتیجے میں ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں اخلاص، تقویٰ، ایثار خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ دنیا میں امن وسلامتی کا دور دورہ اور معاشی خوش حالی کے ساتھ ساتھ انسانی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔

اسلام کے دورِ اولین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کے نتیجے میں ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا تھا جو قیامت تک، نوعِ انسانی کے لیے ایک مثال ہے۔ یہ آپؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا جسے دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جس کے مظاہر آج کے اسلامی معاشروں میں بھی نظر آئے ہیں۔

iii- سیاسی فوائد

معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل سیاست کہلاتا ہے۔ افراد کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ تعلیم، معاشرے میں اجتماعی نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔ تعلیم کے حوالے سے یہ بڑی اہم خدمت ہے۔ تعلیم سے اجتماعی شعور کی نشوونما ہوتی ہے۔ افراد میں ملک وملت کے لیے قربانی کا جذبہ، حب الوطنی اور قومی مفادات سے آگاہی اور تحفظ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح تعلیم یافتہ افراد کی شرکت سے سیاسی عمل میں ہمواری پیدا ہوتی ہے۔ سیاسی ارتقا کے نتیجے میں مستحکم جمہوری معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جہاں عدل وانصاف کی بنیاد پر حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے۔

تعلیم سے احترام آدمیت کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے۔ حقوق کا تحفظ اور حصول آسان ہوتا ہے گویا تعلیم سے ایک صحت مند سیاسی نظام کا قیام عمل میں آتا ہے جو بالآخر ملک کی مجموعی ترقی اور معاشی خوش حالی کا باعث بنتا ہے۔

2- تعلیم کے معاشی فوائد

تعلیم کے نتیجے میں معاش اور رزق کے وسائل کی دریافت ہوتی ہے، انسانوں کے لیے بہتر سہولیات اور آسائش کا سامان مہیا ہوتا ہے، ذرائع مواصلات، ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمدورفت کی ترقی، تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہے۔ تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہے۔ انھیں روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں۔ جس کے اثرات عام افراد معاشرہ کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کی اجتماعی اور کاروباری زندگی تک پہنچتے ہیں۔

وسائل رزق اور روزگار کے نتیجے میں انداز بود و باش بدل جاتا ہے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ تعمیر و آرائش، کھانے پینے کے آداب ملبوسات اور آدابِ زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ ہنرمند افراد معاشرے کے مختلف شعبوں میں حصہ لے کر معاشرے کی تیز رفتار ترقی میں مدد دیتے ہیں۔ حلال روزی کا حصول، فنی تعلیم سے ممکن ہے۔

تعلیم اور بالخصوص سائنسی، تکنیکی، صنعتی و حرفتی اور دیگر پیشہ ورانہ تربیت افراد کی آمدنی اور مجموعی قومی آمدنی میں قابلِ قدر اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

اس طرح تعلیم کے بے شمار فوائد کے نتیجے میں انسانی زندگی میں استواری و ہمواری پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں بہتری اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ ترقی مادی لحاظ سے بھی ہوتی ہے اور تہذیبی و اخلاقی لحاظ سے بھی، جس سے ایک خوشحال، پرامن، بااخلاق اور ترقی یافتہ عالمی معاشرے کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

تعلیم کے معاشی فوائد کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کر سکتے ہیں۔

i- روزگار

تعلیم کی بدولت بڑے پیمانے پر روزگار کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ مختلف پیشوں سے وابستہ افراد روپیہ کماتے ہیں۔ بڑے

بڑے منصوبے روزگار مہیا کرتے ہیں۔

ii- بہتر معیار زندگی

تعلیم انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے انداز بتاتی ہے۔ایک پڑھا لکھا انسان اپنے رہن سہن، میل جول، چال چلن اور تہذیب و تمدن میں نکھار پیدا کرتا ہے۔وہ اپنے آپ کو تعلیم کے ذریعے سنوارتا ہے۔زندگی گزارنے میں اس کا معیار ایک ان پڑھ اور جاہل سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔

iii- قومی ترقی

تعلیم سے بحیثیت مجموعی، قومی ترقی کی راہ کھلتی ہے۔ملکی سطح پر زراعت، انجینئرنگ، میڈیکل، جیسے شعبوں نیز صنعت و حرفت کی بدولت معاشی خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

اہم نکات

1- تعلیم کی مندرجہ ذیل بنیادیں ہیں۔

نظریاتی بنیادیں، فلسفیانہ بنیادیں، نفسیاتی بنیادیں، اور سماجی و معاشی بنیادیں

2- ذرائع علم مندرجہ ذیل ہیں۔

حواسِ خمسہ، عقل، وجدان، اسناد و روایات، اور وحی

3- تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ کہلاتا ہے اور فلسفہ کا عملی پہلو تعلیم کہلاتا ہے۔

4- کسی بھی معاشرے میں نظام تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار و روایات پر ہوتا ہے۔

5- تعلیم کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

سماجی فوائد، علمی فوائد، اخلاقی فوائد اور سیاسی فوائد

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو ''ص'' کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو ''غ'' کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریہ حیات سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ ص / غ

ii- اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ ص / غ

iii- انسان ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے۔ ص / غ

iv- علماء انبیا علیہ السلام کے وارث ہیں۔ ص / غ

v- انسان فطرتاً تجسس پسند ہے۔ ص / غ

vi- فلسفہ کا تیسرا موضوع تصورِ علم ہے اسے علمیات بھی کہا جاسکتا ہے۔ ص / غ

vii- نفسیات کے ذریعے ہمیں بچے کی جسمانی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ص / غ

viii- تعلیم بنیادی طور پر ایک انفرادی عمل ہے۔ ص / غ

ix- اساتذہ کے ہاتھ میں قوم کا مستقبل اور حقیقی معنوں میں باگ ڈور ہوتی ہے۔ ص / غ

x- تعلیم سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کی جاسکتی ہے۔ ص / غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- کسی بھی قوم کا طرزِ فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار و روایات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

ا۔ قومی فکر ب۔ قومی عمل ج۔ قومی اخلاقیات د۔ نظریۂ حیات

ii- انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟

ا۔ تعلیم حاصل کرنا ب۔ اطاعتِ الٰہی ج۔ تحقیق کرنا د۔ فرض ادا کرنا

iii- انبیاء علیہ السلام کے وارث کون ہیں؟

ا۔ علماء ب۔ زاہد ج۔ سرمایہ دار د۔ حکمران

iv- نظام تعلیم کا ایک عنصر ہے۔

ا۔ حکمت تدریس ب۔ حکومت ج۔ حکمران د۔ کوئی بھی نہیں

v- تعلیم کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول ب۔ بچے کی صفائی ج۔ بچے کی نفسیات جاننا د۔ کوئی نہیں

vi- ہر انسان فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔

ا۔ آزاد ب۔ غلام ج۔ پڑھا لکھا د۔ ان پڑھ

vii- زندہ قومیں اپنی اقدار و روایات کو کیا کرتی ہیں؟

ا۔ زندہ رکھتی ہیں۔ ب۔ اضافہ کرتی ہیں۔ ج۔ بدل دیتی ہیں۔ د۔ چھوڑ دیتی ہیں۔

viii- نظم و ضبط میں پہلا اصول ہے۔

ا۔ وقت کی پابندی۔ ب۔ سزا دینا ج۔ صفائی ستھرائی۔ د۔ بڑوں کا ادب۔

ix- تعلیم بنیادی طور پر کون سا عمل ہے؟

ا۔ معاشرتی عمل ب۔ روحانی عمل ج۔ جسمانی عمل د۔ تعلیمی عمل

x- تعلیم کا اصل فائدہ کیا ہے۔

ا۔ علمی اور تہذیبی ب۔ معاشی ج۔ سماجی د۔ سیاسی

3- دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

i- کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر، اس قوم کا.................. کہلاتا ہے۔

ii- اسلامی نظریۂ حیات زندگی کو.................. اور.................. کے علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔

iii- انسان کا مقصدِ تخلیق.................. ہے۔

iv- تلاش حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے.................. کہلاتی ہے۔

v- فلسفہ.................. کا دوسرا نام ہے جس سے انسانی زندگی کا لائحہ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔

vi- تعلیم افراد معاشرہ کی.................. اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔

vii- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی.................. ، .... اور صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریقہ کار کو بہتر بنا سکتا ہے۔

viii- تعلیم اور معاشرے کا.................. بہت گہرا ہے۔

ix- تعلیم علوم وفنون کی ترقی اور.................. کا ذریعہ بنتی ہے۔

x- معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل.................. کہلاتا ہے۔

4- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجئے۔

i- تعلیم کی تعریف کریں۔

ii- تعلیم کی چار اہم بنیادوں کے نام بتائیں۔

iii- نظریۂ حیات سے کیا مراد ہے؟

iv- اسلامی تعلیم کا مرکز ومحور کیا ہے؟

v- تعلیم کی اہمیت کے بارے میں کوئی ایک قرآنی آیت بمعہ ترجمہ بیان کریں۔

vi- کوئی ایک حدیث بمعہ ترجمہ بیان کریں جس میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہو۔

vii- معاشرے اور تعلیم کے تعلق کو پانچ نکات میں واضح کریں؟

viii- تعلیم کا معاشی فائدہ کیا ہے؟

انشائیہ حصہ

5- تعلیم کا مفہوم واضح کریں، تعلیم کی اہم بنیادیں کون کون سی ہیں؟ کسی ایک کی وضاحت کریں۔

6- اسلامی نظریہ حیات سے کیا مراد ہے؟ تعلیم کا اسلامی تصور وضاحت سے تحریر کریں۔

7- اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے قرآن واحادیث کی روشنی میں بحث کریں۔

8- تعلیم کی فلسفیانہ بنیادوں کے بارے میں مفصل تحریر کریں۔

9- نفسیات، تعلیم کے لیے کونسی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ وضاحت کیجئے۔

10- تعلیم کی معاشرتی بنیادوں پر بحث کیجئے۔

11- ذرائع علم کون سے ہیں؟ تفصیلاً لکھیں۔

12- تعلیم کے فوائد کتنی قسم کے ہیں؟ وضاحت کریں۔